لکھنؤ
تعمیر حیات
پندرہ روزہ

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لیکر تابخاک کاشغر
(اقبالؒ)

Regd No. LW/NP 56
TAMEER-E-HAYAT
Fortnightly
(NADWATUL-ULAMA LUCKNOW-226007 (INDIA)
Phone: 2?5?? 29747

ندوۃ العلماء کا قیام ـــــــ وقت کی ایک اہم ضرورت تھی

ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت کے خاتمہ اور انگریزی حکومت کے قیام کے بعد پُرانی بساط اُٹھ رہی تھی اور نئی بساط جم رہی تھی اور اس کے مظاہر زندگی کے ہر شعبہ میں نمایاں تھے علماء اور تعلیم بھی اس سے مستثنیٰ نہ تھے۔ پُرانے مدارس ختم اور ان کی جگہ جدید تعلیم کے اسکول اور کالج قائم ہو رہے تھے اور مُسلمان لڑکے پُرانے مدارس کو چھوڑ کر اسکولوں اور کالجوں کی طرف کھنچ رہے تھے۔ عیسائی مشنریوں کا جال پورے ہندوستان میں بچھا ہوا تھا۔ ان میں اور مسلمانوں میں مناظرے کا بازار گرم تھا۔ عیسائیت آہستہ آہستہ پھیل رہی تھی، یورپ کے نئے خیالات سیلاب کی طرح اُمنڈتے چلے آرہے تھے۔ نئی تہذیب کی آب وتاب نے نگاہوں کو خیرہ کر دیا تھا اور وہ بڑی تیزی سے پُرانی تہذیب کی جگہ لے رہی تھی۔

اس وقت تک مسلمانوں کی قیادت علماء کے ہاتھوں میں تھی۔ ان کا یہ حال تھا کہ عام علماء زیادہ تر درس وتدریس میں مصروف اور چھوٹی چھوٹی باتوں میں اُلجھے ہوئے تھے۔ خواص تقلید وعدم تقلید، قرأت فاتحہ خلف الامام، آمین بالجہر اور رفع یدین کے جھگڑوں میں ایسے مبتلا تھے کہ مناظرے سے گذر کر جنگ وجدال تک نوبت پہنچ گئی تھی۔ خدا کے گھر کشتی کا اکھاڑہ اور لڑائی کے میدان بن گئے تھے۔

ایک دوسرے کی تکفیر

اور تفسیق علماء کا محبوب مشغلہ تھا۔ مدارس کا پُرانا نصاب اور فرسودہ طریقۂ تعلیم بالکل ناکارہ ہوچکا تھا،

اور

ایسے علماء پیدا کرنے سے قاصر تھا جو نئے حالات میں صحیح رہنمائی کرسکیں اور یہ خطرہ بالکل سامنے آگیا تھا کہ اگر ان نئے حالات کا مقابلہ نہ کیا گیا تو جدید علوم اور مغربی تہذیب کا سیلاب مسلمانوں کو بہا لے جائے گا۔

گو عام علماء ان خطرات اور نئے حالات اور ان کی ضروریات سے بے خبر تھے۔ لیکن صاحب نظر ... کو اس کا پورا احساس تھا چنانچہ سنہ ۱۸۹۲ء میں مدرسۂ فیض عام کانپور کی دستاربندی کے موقع پر جب کہ ہندوستان کے چوٹی کے علماء کا اجتماع تھا ان حالات پر غور کرنے اور ان کی اصلاح کے لئے ندوۃ العُلماء کے نام سے ایک مجلس قائم ہوئی اور مولانا محمد علی مونگیریؒ اس کے ناظم مقرر ہوئے اور سنہ ۱۸۹۲ء میں مدرسۂ فیض عام ہی میں اس مجلس کا پہلا جلسہ ہوا، جس میں ہر مسلک ومشرب کے علماء نے شرکت کی۔

سنہ ۱۸۹۶ء میں بانس بریلی کے اجلاس میں مجلس ندوۃ العُلماء کے تخیل کے مطابق ایک درس گاہ کے قیام کی تجویز منظور ہوئی سنہ ۱۸۹۸ء میں لکھنؤ میں دار العلوم ندوۃ العلماء کے نام سے یہ درس گاہ قائم ہوگئی۔ مولانا محمد علی مونگیریؒ جو مجلس ندوۃ العلماء کے ناظم تھے اسی کے ناظم اور مولانا حکیم سید عبدالحیؒ مددگار ناظم مقرر ہوئے۔

(مولانا سید سلیمان ندویؒ)

تلخیص:

(مولانا شاہ معین الدین احمد ندویؒ)

"علوم اسلامیہ کے جوئے شیر کا فرہاد آج ہندوستان میں سوائے سید سلیمان ندوی کے اور کون ہے۔"
(حکیم مشرق علامہ اقبالؒ)

لکھنؤ

تعمیرِ حیات

پندرہ روزہ

شعبۂ تعمیر و ترقی دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

جلد نمبر (۱۵) | ۲۵ نومبر ۱۹۷۷ء ـــــ ۱۳ ذی الحجہ ۱۳۹۷ھ | شمارہ نمبر ۲

زرِ اشتراک اندرونِ ہند مع محصول ڈاک:
سالانہ: ۱۲ روپے۔ ششماہی سات روپے
فی پرچہ: ۶۰ پیسے
بیرونِ ہند مع محصول ڈاک:
بحری ڈاک سے: ایک پاؤنڈ شلنگ
ہوائی ڈاک سے: امریکہ کناڈا اور
یورپین ممالک: ۳ پونڈ
افریقہ، مشرق وسطیٰ اور مشرق بعید ممالک: ۲ پونڈ
پاکستان: ۳۰ روپے
بنگلہ دیش: ۱۵ روپے

اسحٰق جلیس ندوی

دو ملّی اجتماعات اور ہماری ذمہ داریاں

ملّی کنونشن دہلی اور مسلم پرسنل لا بورڈ کانفرنس رانچی ہر حیثیت سے کامیاب قرار دیئے جا سکتے ہیں، ان میں مسلمانوں کی تمام سیاسی، سماجی، دینی اور تعلیمی تنظیموں کے نمائندے، غیر جماعتی اہم شخصیتیں، مختلف مسلک و مکاتب خیال سے وابستہ ممتاز حضرات نے شرکت کی، عام مسلمانوں نے ان اجتماعات سے دلچسپی لی، ہر طرح تعاون کیا، مسلم نوجوانوں نے ان جلسوں کے نظم و انتظام اور مندوبین کی خدمت و مدارات میں جوش و خروش سے حصہ لیا، مسلم پرسنل لا بورڈ کی کانفرنس میں ایک سیمینار بھی منعقد ہوا، جس کی یہ خصوصیت تھی کہ غیر مسلم دانشوروں نے اس میں شرکت کی اور ہندی و انگریزی میں متوازن مقالے پیش کئے۔

دہلی کے ملی کنونشن کا خطبۂ استقبالیہ اور خطبۂ صدارت میں ہندوستانی مسلمانوں کے درد و کرب اور ان کے مسائل کی بھرپور عکاسی تھی۔

اس کنونشن کی تجاویز اور قراردادوں میں مسلمانوں کے تمام اہم مسائل کا احاطہ کیا گیا، حکومت سے مطالبات بھی ہیں اور مسلمانوں کو ہدایات بھی۔ تجاویز کو مرتب کرنے کے لئے جو ذیلی کمیٹیاں بنائی گئی تھیں ان میں اس بات کا اہتمام کیا گیا تھا کہ ہر کمیٹی میں ایسے حضرات ہوں جن کا اس مسئلہ سے قریبی تعلق اور گہرا مطالعہ ہو، مثال کے طور پر اقتصادی کمیٹی کے کنوینر مشہور ماہر اقتصادیات پروفیسر علی محمد خسرو (وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڈھ) تھے یہی معیار اور لحاظ تجاویز مرتب کرنے والی تمام ذیلی کمیٹیوں میں پیش نظر رکھا گیا ـــ دہلی ملی کنونشن کا ایک اور کارنامہ "مسلم مجلس مشاورت" کے تنِ مردہ میں روح پھونکنا ہے، ملی کنونشن کے انعقاد کی تجویز جس زمانے میں زیر غور تھی اکثر رہنماؤں کا رجحان اس کنونشن کا انعقاد مسلم مجلس مشاورت کے نام سے کرنے کا تھا، مسلم مجلس مشاورت ایک نمائندہ باڈی ہے، اس وفاق میں تمام مسلم جماعتوں، مختلف مسالک و خیال اور مکاتب فکر کے نمائندے شریک ہیں۔ مسلمانانِ ہند کی یہ متحدہ تنظیم اپنی ایک تاریخ رکھتی ہے، تحریک خلافت کے بعد اس وفاق نے ملک کے تمام طبقوں میں اتحاد و اتفاق اور اعتماد و یقین کی فضا پیدا کی تھی۔ مسلم مجلس مشاورت نے ۱۹۶۷ء کے ہولناک فسادات اور مایوس کن حالات میں وجود میں آئی اور اس نے مسلمانوں کو جرأت کا کردار ادا کرنے اور برادرانِ وطن میں احساس ذمہ داری کا جذبہ پیدا کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا تھا۔ افسوس ہے کہ تحریک پر عوام کے اعتماد اور اس کے استقبال سے فائدہ اٹھایا نہیں گیا، جماعتی دلچسپیوں نے مسلم مجلس مشاورت کو ثانوی درجہ دیدیا۔ دارالسلطنت دہلی میں مسلم مجلس مشاورت میں شریک بیشتر جماعتوں کے دفتر قائم ہو گئے لیکن اس فیڈریشن کا کوئی دفتر اور باقاعدہ نظم قائم نہیں ہو سکا۔

ملّی کنونشن کے داعی مسلمانانِ ہند کے شکریے کے مستحق ہیں کہ انہوں نے اپنے حالیہ کنونشن میں مسلم مجلس مشاورت کو اس کا اصل مقام دینے اور اسے متحرک و فعال بنانے کا عزم کیا ہے۔ ملی کنونشن اور پرسنل لا کانفرنس میں اپنی مدد آپ اور اپنے صفوں کو درست کرنے کے لئے واضح خطوط اور لائحہ عمل بنایا گیا۔ رانچی کے جلسۂ عام میں مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ نے اپنی تقریر میں بڑی صاف گوئی سے یہ فرمایا کہ:-

"یہ یاد رکھئے کہ اللہ تعالیٰ اپنی کسی دی ہوئی نعمت کو اس وقت تک نہیں چھینتا جب تک قوم اپنی شامتِ اعمال اور کفرانِ نعمت سے اپنے کو بالکل غیر مستحق نہ بنا لے ـــ یہ ملک ہر حال جمہوری ملک ہے اور ہمیں ایسے اجتماعات کا حق ہے۔ ہمارا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ کا آئین عین حق ہے اور ہم اس میں کسی ادنیٰ درجہ کی تبدیلی برداشت نہیں کر سکتے۔ لیکن ہمیں یہ بھی سوچنا پڑے گا کہ کیا ہم نے خود اپنے گھروں میں قانونِ شریعت کو جاری کیا ہے؟ محض کنارہ پر کھڑے ہو کر فائدہ اور نقصان دیکھنے سے کیا حاصل، عزم و ارادہ کر کے پورے طور پر اسلام میں داخل ہونے کی ضرورت ہے۔

مقامِ مسرت ہے کہ یہاں آ کر آپ نے قانونِ شریعت کے ساتھ وابستگی کا اظہار کیا ہے اب آپ کا فرض ہے کہ آپ اس کے پورے طور پر وفادار بنیں اور رہیں، اور قانونِ شریعت برت کر اسلام کے تقاضے پورے کریں، اگر آپ نے ایسا کر لیا تو سارے مسائل یقینی جانئے حل ہو جائیں گے۔"

اس تقریر سے یہ پہلو واضح ہو جاتا ہے کہ اسلامی شریعت اور مسلم پرسنل لا کو خارجی تحفظ کی جتنی ضرورت ہے اس سے زیادہ ہمیں اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں اسے برتنا ضروری ہے۔ دین اور دینی شعائر سے ہمارا ذاتی تعلق کمزور پڑ جائے تو خارجی تحفظ کچھ زیادہ سودمند نہیں ہو سکتا۔

بات جب اپنی اصلاح کی چل رہی ہے تو ایک تجویز کے اسباب و محرکات کا جائزہ لیجئے مسلم پرسنل لا کانفرنس رانچی کو ایک تجویز میں غیر سرکاری تار کنندہ کمیشن کے قیام پر احتجاج ہے۔ ہم اس احتجاج سے سو فیصد متفق ہیں۔ کسی ملک کی اکثریت اگر اپنے ملک کی اقلیتوں کے مذہبی، تہذیبی، ثقافتی اور روایاتی امور میں تحقیق و فیصلے کا یہی طریقہ کار اپنائے تو یہ قانونی اور اخلاقی حیثیت سے قطعاً غلط ہے، اگر کوئی اپنے پیروکاروں پر ظلم و زیادتی روا رکھتا ہے تو اسکی اصلاح کا طریقہ افہام و تفہیم، نجی ملاقات و گفتگو اور توجہ دہانی ہو سکتا ہے، نہ یہ کوئی کمیشن بٹھا کر اس کی تحقیق اپنے طور پر کیجائے اور ایک خاص عینک سے ان مسائل کو دیکھا جائے۔ تار کنندہ کمیشن کے قیام کو ناجائز قرار دیتے ہوئے ہم اتنا ضرور عرض کریں گے کہ بوہرہ جماعت کے سربراہ (جن کے خلاف تحقیقات کے لئے تار کنندہ کمیشن تشکیل دیا گیا ہے) اپنی جماعت کے غیر مطمئن لوگوں کو اعتماد میں لیں، ان کی جائز شکایتوں پر غور کریں، ان کی غلط فہمی دفع کریں، ان کے نقطۂ نظر کو سمجھیں، ڈاکٹر برہان الدین صاحب اگر اس مسئلے میں اپنی رواداری اور فراخدلی کا مظاہرہ کریں گے تو ہمیں یقین ہے کہ یہ طوفان خود بخود تھم جائے گا اور ان کی جماعت کے غیر مطمئن لوگوں کو اس ملک کا غلط عنصر استعمال نہیں کر سکیگا۔

ملی کنونشن نے ہندوستانی مسلمانوں کو اپنے حقیقی منصب و مقام کا احساس دلایا، اس ملک میں اخلاقی قیادت کا جو خلا ہے اسے پُر کرنے کے لئے مسلمانوں کو دعوت دی گئی ہے۔ اس دعوت پر لبیک کہنے اور اسے اپنانے کے اہل اور مستحق صرف مسلمان ہو سکتے ہیں یہ ملک قیادت کی تبدیلی کے بعد بھی انتشار و پراگندگی، انارکی اور اخلاقی زوال کی طرف سرپٹ دوڑ رہا ہے ملک کی اخلاقی اور انسانی سطح بلند کرنے کے سلسلے میں نئی قومی قیادت اور حکمراں جماعت سے بڑی امیدیں وابستہ تھیں افسوس ہے کہ اب وہ پوری ہوتی نظر نہیں آ رہی ہیں، انتخابات کے موقع پر اور اس سے قبل ایمرجنسی کے زمانہ میں جیلوں میں محبت و بھائی چارے کی جو فضا پیدا ہوئی تھی وہ دیرپا ثابت نہیں ہوئی۔ فسادات کا سلسلہ چل پڑا ہے تعلیمی ادارے، سرکاری دفاتر، غرض معاشرے کا ہر گوشہ انتشار، پراگندگی، کرپشن اور کاہلی کا شکار ہے، قومی پریس جانبداری اور غیر حقیقت پسندی کا مریض ہے، اس موقع پر ملی کنونشن کی مسلمانوں کو اخلاقی قیادت پُر کرنے کی دعوت وقت کا عین تقاضا ہے، امید ہے کہ مسلمان اپنی بے سر و سامانی کے باوجود اس خلاء کو پُر کرنے میں کوتاہی نہیں کریں گے۔

چاہے کوئی تسلیم کرے لیکن واقعہ یہ ہے کہ مسلمانوں نے اس ملک پر ہمیشہ احسان کیا ہے آئندہ بھی انہیں اس ملک کو ہر قسم کے خطرات سے بچانا ہے، غیر مسلم بھائیوں سے ربط و تعلق اور ان کے دل بدلنے کی کوشش تیز کیجئے، ایمان و اخلاق کے ساتھ دعوت خیر عروج و سربلندی کی ضمانت ہے، ولا تھنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مؤمنین۔

از: مولانا محمد اویس نگرامی ندوی

تعلیم القرآن

بیوہ عورتوں کے ساتھ برتاؤ:

وانکحوا الایامیٰ منکم (نور ۴) اپنے میں سے بے شوہر والی عورتوں کا نکاح کرو۔

وہ عورتیں جن کے شوہروں کا انتقال ہو گیا ہے، اب وہ بے یار و مددگار ہیں، نہ ان کے کھانے پینے کا کہیں سہارا ہے، نہ رہنے سہنے اور تن ڈھانکنے کا ٹھکانا! اسلام کا حکم ہے کہ ان کے ساتھ نیک برتاؤ کیا جائے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بیوہ اور مسکین کے لئے دوڑ دھوپ کرنے والا ایسا ہے جیسا خدا کی راہ میں دوڑنے والا، فرمایا، بیوہ اور غریب کے لئے دوڑ دھوپ کرنے والا خدا کی راہ کے مجاہد کی طرح ہے اور اس کے برابر ہے جو دن بھر روزہ اور رات بھر نماز پڑھا کرے!

بعض لوگ جہالت سے بیوہ عورتوں کو منحوس سمجھتے ہیں، یہ اسلامی تعلیم کے خلاف ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن میں سب سے پہلے جنت کا دروازہ کھولوں گا تو دیکھوں گا کہ ایک عورت مجھ سے بھی پہلے اندر جانا چاہتی ہے۔ میں پوچھوں گا تو کون ہے؟ وہ کہے گی کہ میں ایک بیوہ ہوں، جس کے چند ننھے ننھے یتیم بچے تھے!

بیوہ عورتوں کے ساتھ ضروری سلوک یہ ہے کہ کسی اچھے آدمی کے ساتھ عدت گزرنے کے بعد ان کا عقد کر دیا جائے، ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ۲۵ سال کی عمر میں ۴۰ برس کی ادھیڑ عمر کی بیوہ حضرت خدیجہؓ سے شادی کیا، ان کے بعد وقتاً فوقتاً آٹھ بیوہ عورتوں سے حضورؐ نے نکاح کیا۔

لڑکیوں کے ساتھ برتاؤ:

واذا بُشِّرَ احدھم بالانثیٰ ظلّ وجھہٗ مسودًّا وھو کظیم یتواریٰ من القوم من سوٓء ما بُشِّر بہٖ۔	اور جب ان میں سے کسی کو لڑکی کی خوشخبری دیجاتی ہے تو اس کا منہ کالا پڑ جاتا ہے اور غصہ کے گھونٹ پی کر رہ جاتا ہے، اس خوشخبری کے رنج سے وہ لوگوں سے منہ چھپاتا پھرتا ہے۔

عام طور سے دیکھا جاتا ہے کہ جب کسی کے گھر میں لڑکے کے بجائے لڑکی پیدا ہوتی ہے تو زیادہ خوشی نہیں منائی جاتی ہے بلکہ اکثر لوگ، لڑکی پیدا ہونے پر رنج ظاہر کرتے ہیں، عرب والوں کا بھی یہی حال تھا، وہ لوگ تو اپنی لڑکیوں کو زندہ زمین میں گاڑ دیتے تھے!

ایک صحابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ کو آ کر اپنا واقعہ سُنایا کہ اسلام سے پہلے میری ایک لڑکی تھی جب میں اس کو بلاتا تو دوڑ کر میرے پاس آتی، ایک دن وہ میرے بلانے پر خوش خوش دوڑی آئی میں آگے بڑھا، اور وہ میرے پیچھے پیچھے چلی آئی، میں آگے بڑھتا چلا گیا، جب ایک کنوئیں کے پاس پہونچا جو میرے گھر سے کچھ دور نہ تھا، اور لڑکی بھی اس کے قریب پہونچی تو میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کنوئیں میں ڈالدیا اور وہ ابا، ابا کہہ کر پکارتی رہی! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قصہ سن کر اتنا روئے کہ داڑھی تر ہو گئی! اور فرمایا کہ جاؤ، اسلام کے بعد، پہلے کے گناہ معاف ہو گئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، خدا نے تم پر ماؤں کی نافرمانی اور لڑکیوں کو زندہ دفن کر دینا حرام کیا ہے۔

صحابۂ کرام کا یہ حال تھا کہ لڑکیوں کی پرورش کے لئے ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ سے چلنے کا ارادہ کیا، تو حضرت حمزہؓ کی یتیم بچی امامہ چچا چچا کہتی دوڑی آئی، حضرت علیؓ نے ہاتھوں میں اٹھا لیا، اور حضرت فاطمہؓ کو دیا کہ یہ لو تمہارے چچا کی بیٹی ہے! حضرت علیؓ کے بھائی حضرت جعفرؓ نے کہا کہ بچی مجھ کو ملنا چاہیئے کہ یہ میرے چچا کی لڑکی ہے اور اس کی خالہ میرے گھر میں ہے، حضرت زیدؓ نے آگے بڑھ کر کہا حضور یہ لڑکی مجھ کو ملنا چاہیئے کہ حمزہؓ میرے دینی بھائی تھے! حضرت علیؓ نے کہا کہ یہ میری بہن بھی ہے اور پہلے میری ہی گود میں آئی ہے! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ خالہ ماں کے برابر ہوتی ہے، اس کی خالہ کے گود میں دے دیا۔

محسنِ انسانیت نے فرمایا

عن عمرو بن مرۃ انہ قال لمعاویۃؓ سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من ولّاہ اللہ شیئًا من امر المسلمین فاحتجب دون حاجتھم وخلّتھم وفقرھم احتجب اللہ دون حاجتہٖ وخلّتہٖ وفقرہٖ فجعل معاویۃ رجلا علیٰ حوائج الناس۔

(رواہ ابوداؤد والترمذی مشکوٰۃ صفحہ ۳۲۴)

ترجمہ: عمرو بن مُرّہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت معاویہؓ سے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کو مسلمانوں کا حاکم مقرر فرمائے اور وہ مسلمانوں کی ضروریات اور حاجات سے غافل ہو کر بیٹھا رہے تو اس کو یاد رکھنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ بھی محشر میں اس کی ضرورت اور حاجت کی کوئی شنوائی نہ فرمائے گا۔ یہ حدیث سُن کر حضرت معاویہؓ نے اس بات کے لئے مستقل ایک شخص مقرر کر دیا کہ جو لوگوں سے پوچھ پوچھ کر ان کی ضروریات کو ان کے سامنے پیش کرتا رہے۔

عن عمر بن الخطاب انہ کان اذا بعث عمّالہ شرط علیھم ان لا ترکبوا برذونا ولا تاکلوا نقیا ولا تلبسوا رقیقًا ولا تغلقوا ابوابکم دون حوائج الناس فان فعلتم شیئًا من ذٰلک فقد حلّت بکم العقوبۃ ثم یشیعھم۔

(رواہ البیہقی فی شعب الایمان مشکوٰۃ صفحہ ۳۲۲)

ترجمہ: حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ جب وہ کسی اپنے کارندے کو کسی جانب روانہ فرماتے تو اس کے ساتھ یہ چند شرطیں کر لیتے کہ ترکی گھوڑے پر سوار مت ہونا اور میدہ مت کھانا اور باریک کپڑے مت پہننا اور لوگوں کی ضروریات سننے کے لئے ہر وقت اپنے دروازے کھلے رکھنا اور ان کو بند مت کرنا اگر تم نے ان میں سے ایک بات کی بھی خلاف ورزی کی تو یاد رکھنا اسکا نتیجہ تم کو بھگتنا ہوگا، یہ کلمات کہہ کر پھر رخصت فرماتے۔

شرح: حدیث کی شرح سمجھنے سے پہلے یہ اپنے پیش نظر رکھئے کہ یہ فرمان اس شخص کا ہے جس کے متعلق بعض انگریزوں کا یہ مقولہ ہے کہ اگر کہیں اسلام میں اسی شان کا دوسرا عمر اور پیدا ہو جاتا تو تمام روئے زمین پر ایک مسلمانوں کے سوا دوسرا کوئی حکمراں نظر نہ آتا، تاریخ آپ کو یہ بتا دے گی کہ اس کی یہ رائے کسی جبر و تشدّد کی بنا پر نہ تھی کیونکہ دنیا کبھی جبر و تشدد سے رام نہیں ہو سکتی بلکہ ان کے حسن تدبیر اور حسن تدبّر کی بنا پر تھی اور اسی کے ساتھ اس کا بھی لحاظ رکھئے کہ یہ شخصیت وہ تھی جس کی عمر کا اکثر حصہ ایسے تنگ حالات میں گذرا ہے کہ اس وقت کبھی کبھی مسلمانوں کی تمام فوج میں انگلیوں پر گنے ہوئے چند گھوڑے ہوتے تھے جبکہ دشمنوں کی فوج ہر قسم کے سامانوں سے لیس اور مسلح ہوتی تھی۔ ان کی غذا حالت امن میں جَو کا آٹا اور وہ بھی بغیر چھنا ہوا اور ان کا فوجی راشن کبھی کبھی صرف کھجور کی گٹھلیاں ہوتی تھیں پھر ان کے لباس کا کیا پوچھنا ہے ان کے تن یا تو ہمہ وقت زرہ پوش رہتے تھے یا اگر کبھی زرہ اتارنے کی نوبت آتی تو جانوروں کے کچے چمڑے جسم سے لپیٹ لیا کرتے تھے۔

یہ وہ شخصیت تھی جو اپنے دورِ حکومت میں تخت پر بیٹھ کر اپنے پھاٹک بند کرنے کی بجائے رات کی تاریکیوں میں چھپ چھپ کر مدینہ کی گلیوں میں مارے مارے پھرتے کہ اگر کسی کو اپنی ضرورت بیان کرنے میں کوئی امر مانع ہو تو براہ راست خود جا کر اس کا تجسس کریں، اس ضمن میں جو واقعات تاریخ میں موجود ہیں اگر ان کو نقل کیا جائے تو پھر یہ مختصر رسالہ ایک رسالہ باقی نہیں رہ سکتا بلکہ ایک ضخیم جلد بن جائے گا۔

اب اس روشنی میں آپ اس پر غور کریں کہ اگر حاکم خود ایسا ہو اور اس کا دَور وہ دَور ہو جو آپ اوپر ملاحظہ فرما چکے تو اس کے کارندوں کو مذکورہ بالا شرائط کا پابند کر دینا کتنا معقول اور حاکم و محکوم کی عام معاشرتی زندگی میں توازن قائم رکھنے کے لئے کتنا ضروری تھا، لیکن اب جبکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و رحمت سے ہر چیز میں فراغت و رفاہیت عطا فرما رکھی ہے گھوڑوں کے بجائے موٹر اور موٹروں سے بڑھ کر ہوائی جہاز میسر فرما دئے ہیں اور لباس بھی اچھے سے اچھا آسانی سے نصیب ہو جاتا ہے اور گیہوں کا میدہ بھی قلیل و کثیر اکثریت کو مل جاتا ہے۔

دعوت کا کام کرنے والوں کے درمیان خوشگوار تعلق اور باہمی محبت کسی خارجی ذریعے سے نہیں پیدا کیجا سکتی

امریکہ اور کناڈا کے مسلم طلبہ کی تنظیم ایم۔ ایس۔ اے کا پندرہواں سالانہ کنونشن انڈیانا یونیورسٹی بلومنگٹن (امریکہ) میں مورخہ ۳۰ مئی ۱۹۷۸ء کو منعقد ہوا سہ روزہ کنونشن کے افتتاحی اجلاس میں مولانا سید ابو الحسن علی ندوی نے " اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے کارکنوں کے باہمی تعلقات وروابط" اس موضوع پر تقریر فرمائی۔ کنونشن میں یوروپ وامریکہ کے دو ہزار مسلم طلبہ نے شرکت کی، مہمان شرکاء میں مختلف ممالک کے اسلامی اسکالرز، ماہرین تعلیم، مصنفین، تاریخ داں اور ماہرِ اقتصادیات شامل تھے۔ یہ تقریر ٹیپ ریکارڈ کی مدد سے سید مشتاق علی متعلم دار العلوم ندوۃ العلماء نے قلمبند کی ـــــ اس تقریر کا انگریزی ترجمہ جناب ممتاز احمد صاحب نے کیا۔

مصنوعی کوشش کارگر نہیں ہوتی:

حضرات! آج کی مجلس کا موضوع ہے کہ "اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لئے کام کرنے والوں کے درمیان کیسا شخصی تعلق اور رابطہ ہونا چاہیئے"۔

میں اس موضوع پر روشنی ڈالنے کی کوشش کروں گا لیکن مجھے شاید ان الفاظ کے دائرے میں مقید ہونا ضروری نہ ہوگا۔ میں ایک حقیقت پسند انسان اور ایک طالب العلم کی حیثیت سے جس کی تاریخ اسلام پر نظر ہے اور اس نے اس کا مطالعہ کیا ہے چند تجربات اور مطالعہ کی روشنی میں اصل سرچشموں کی نشاندہی کروں گا۔

حضرات! میں سمجھتا ہوں کہ دعوت کا کام کرنے والوں کے درمیان تعلق اور باہمی محبت کسی خارجی ذریعہ سے نہیں پیدا کیجا سکتی میرے علم میں ابھی تک کوئی ایسا مادہ کوئی ایسا علم نہیں جو گوند کی طرح لیئی کی طرح انسانوں کے دلوں کو جوڑ دے۔ اس میں کوئی مصنوعی کوشش کارگر نہیں ہوتی۔ آپس کی محبت کا سرچشمہ انسان کے دل اور انسان کے اندرون سے باہر نہیں ہے ایسا کوئی ذریعہ نہیں ہے کہ ان ٹوٹے ہوئے دلوں کو جن کے درمیان کوئی شکن ہے جن کے درمیان اتحاد نہیں ہے اور جن کے اوپر کسی حقیقت کا، کسی احساس کا غلبہ نہیں ہے ان کے درمیان وہ کوئی اتحاد پیدا کردے کاغذوں کو ایک دوسرے سے چپکانا آسان ہے اور کسی عمارت کی اینٹوں کو مسالہ سے جوڑا جاسکتا ہے مگر انسانی دلوں کا معاملہ اس سے کہیں زیادہ نازک کہیں زیادہ دشوار ہے خود قرآن مجید میں آتا ہے "لو انفقت ما فی الارض جمیعًا ما الفت بین قلوبھم الخ" کہ تمہارے پاس جو سرمایہ ہے، ذرائع ہیں وہ سب کے سب خرچ کردو تب بھی ان کے دلوں کو نہیں جوڑ سکتے تھے، اگر اللہ ان کے اندر اتحاد نہ پیدا کرتا۔ ان کو ایک دوسرے سے نہ جوڑتا تو دنیا کی کوئی طاقت نہیں تھی کہ ان کے دلوں کو جوڑے۔

اخوّت کا کرشمہ:

آپ حضرات کو معلوم ہے جب مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت ہوئی تو مہاجرین وانصار کے درمیان سوائے انسانیت اور سوائے عربی زبان کے رشتہ کے نسلی رشتہ تک نہیں تھا۔ میں تفصیل میں جانا نہیں چاہتا، انصار کا تعلق . . . . . . یمنی قبائل سے تھا اور حجازی مہاجرین کا تعلق حجازی قبائل سے تھا لیکن ان کے درمیان ایک بے نظیر اتحاد پیدا ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، " اذکروا نعمۃ اللہ اذ کنتم اعداءً فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخوانا" اللہ تعالیٰ کے اس احسان کو یاد کرو اذ کنتم اعداءً" جب تم آپس میں ایک دوسرے کے دشمن تھے فاصبحتم بنعمتہ اخوانا، تو تم اس کی نعمت سے آپس میں بھائی بھائی ہوگئے اور اسی اخوت کا کرشمہ تھا کہ جب مہاجرین مدینہ پہونچے ہیں تو حضرات انصار نے ان کو گھروں میں جگہ دی گھروں ہی میں جگہ نہیں دی بلکہ دلوں میں جگہ دی آنکھوں پر بٹھایا۔

انصاری کہتا ہے یہ میرا گھر ہے آدھا حصہ آپ کا آدھا میرا آپ جو نسا حصہ شوق سے پسند فرمالیں، ایسے ہی کھیتی باڑی میں جائداد واملاک میں آدھا آدھا حصہ اور حد یہ ہے کہ میری دو بیویاں ہیں میں ان میں سے ایک کو طلاق دیتا ہوں آپ اس کو اپنی زوجیت کے لئے قبول فرمالیں۔ مہاجرین نے اس کے جواب میں کیا کیا؟

انہوں نے ایثار کا مظاہرہ کیا، انہوں نے عزت کا مظاہرہ کیا، انہوں نے کہا اللہ برکت دے، اللہ مبارک فرمائے، ہمیں بازار کا راستہ بتا دیجئے ہم وہاں قسمت آزمائی کریں گے جو ہمارے نصیب میں ہوگا وہ ہمیں ملے گا۔

یہ چیز کسی مصنوعی طریقہ سے نہیں پیدا ہوسکتی ہے۔ اسلامی تنظیمات میں زمانہ قدیم میں بھی اور آج بھی یہ بڑا مسئلہ رہا ہے کہ کام کرنے والوں کو ایک دوسرے سے شیر وشکر بنالیں جس طرح دودھ اور شکر مل کر مفید بن جاتے ہیں، اور پھر شکر اس میں اس طرح تحلیل ہوتی ہے کہ اس کو الگ کرنا مشکل ہوتا ہے اسی طرح کام کرنے والوں کو ایک دوسرے سے پیوست کیا جائے کہ ان کی انفرادیت ختم ہوجائے اور اس سے زیادہ صحیح الفاظ میں انانیت ختم ہوجائے۔

چند مثالیں:

اس ضمن میں ایک دو مثالیں پیش کروں گا اور پھر عرض کروں گا کہ اس کا اصل سرچشمہ کیا ہے؟ میں اس کی مثال سیرت نبوی سے دیتا ہوں کہ اس سے بہتر مثال انسانی دنیا کے سرمائے میں اور اس کے کتب خانوں میں موجود نہیں ـــ بدر کے موقع پر مشرکین مکہ میں سے کچھ لوگ قید کئے گئے۔ ان میں ایک عدی بن عمیر تھے، ان کے حقیقی بھائی مصعب بن عمیر رض اسلام کے علمبردار تھے وہ پہلے سے مدینہ آچکے تھے۔ جب عدی بن عمیر کی مشکیں باندھی جانے لگیں تو مصعب بن عمیر رض کھڑے دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے جو شخص مشکیں باندھ رہا تھا اس کو مخاطب کرکے کہا " اس کو اچھی طرح کس کے باندھنا۔

اس کی اچھی رقم وصول ہوگی" عدی بن عمیر نے کہا آپ سے اس کی توقع تھی کہ آپ میرے لئے کوئی کلمۂ خیر کہتے میری سفارش کرتے کہ میرا بھائی ہے ذرا خیال کرکے اس کی مشکیں باندھنا، ذرا ڈھیلی باندھنا آخر میرے ماں باپ کا لختِ جگر ہے، میرا حقیقی بھائی ہے آپ اس کے برخلاف یہ کہتے ہیں کہ مشکیں ذرا اچھی طرح باندھی جائیں تاکہ فدیہ کی رقم اچھی وصول ہو"۔

مصعب بن عمیر رض نے اس کا جو جواب دیا وہ دنیا کی تعمیری کوششوں اور دینی و اخلاقی انقلابات کی تاریخ میں ہمیشہ کے لئے یادگار رہے گا۔ انہوں نے کہا: "تم میرے بھائی نہیں ہو میرا بھائی وہ ہے جو تمہاری مشکیں باندھ رہا ہے"۔

عقیدے کی وحدت اور مقصد کا عشق:

عقیدے کی وحدت، مقصد کے عشق نے ایسی قلب ماہیت کردی تھی اور ایسا انقلاب پیدا کردیا تھا کہ مصعب ابن عمیر رض اعلیٰ انسانی اقدار کے مالک تھے جس کا اندازہ ان کی سیرت اور حالات زندگی سے ہوتا ہے لیکن مقصد کے عشق نے ان کو ایسا خود فراموش بنا دیا تھا کہ انہوں نے یہ کہا کہ "تم اس وقت میرے بھائی نہیں میرا بھائی وہ ہے جو تمہاری مشکیں باندھ رہا ہے"۔ اس لئے کہ ایک نئے رشتے، ایک نئی چیز نے ہم لوگوں کو جوڑ دیا ہے، وہ خون کا رشتہ نہیں ہے لیکن وہ خون کے رشتہ سے زیادہ عظیم، زیادہ مبارک، زیادہ مفید اور زیادہ قابل قدر ہے"۔

ایک اور مثال پیش کرتا ہوں جو بہت مشہور ہے کہ شام کی فتوحات میں جو لڑائیاں ہوئی ہیں ان میں سے ایک لڑائی کے موقع پر ایک صحابی رض بیان فرماتے ہیں کہ میں اس خیال سے نکلا کہ میدان جنگ میں اپنے بھائی کو تلاش کروں گا عام طور پر جو لوگ زخمی ہوتے ہیں ان کو پیاس کی شدت لگتی ہے، تو میں پانی کا پیالہ لے کر نکلا کہ شاید وہ جاں بلب ہوں تو پانی ان کے ہونٹوں میں ٹپکا دوں گا۔ میں بھائی کے پاس گیا اور دیکھا کہ وہ جان کنی کی حالت میں ہیں اور ہونٹوں پر پپڑیاں جمی ہوئی ہیں، چہرے پر خشکی ہے، میں نے پانی کا پیالہ پیش کیا اتنے میں کسی کے کراہنے کی آواز آئی۔ انہوں نے کہا کہ "یہ بھائی پانی کا زیادہ مستحق ہے یہ پانی کا پیالہ آپ اس کو پیش کردیں مجھ پر جو گذرے گی"۔ جب اس کے پاس گئے، تو اتنے میں کسی کے کراہنے کی آواز آئی تو انہوں نے کہا کہ یہ پیالہ فلاں بھائی کو پیش کردو، یہاں تک کہ معتبر راوی بیان کرتا ہے اور اسلامی عہد کی تاریخ میں (جو بڑے اہتمام کے ساتھ لکھی گئی ہے اس میں ایرانی مبالغہ اور عجمی شاعری نہیں ہے وہ خالص واقعات وحقائق کی دستاویز ہے) لکھا ہے کہ یہ پیالہ گردش کرتا رہا اور میں برابر چکر کھاتا رہا جب کسی زخمی کے پاس لے جاتا وہ کسی اور زخمی کی طرف اشارہ کردیتا کہ میرے بجائے فلاں زخمی کو پیش کردیا جائے یہاں تک کہ میں اپنے بھائی کی طرف لوٹ کر آیا جب تک وہ جان جان آفریں کے سپرد کرچکے تھے، جب دوسرے کے پاس گیا تو وہ واصل بحق ہوچکے تھے۔ جب تیسرے کے پاس گیا تو وہ بھی مرتبۂ شہادت کو پہونچ چکے تھے میرا پیالہ بھرا کا بھرا رہا اور یہ سب اللہ کے بندے اللہ کو پیارے ہوگئے"۔ یہ واقعہ ہے جو تاریخی طور پر پیش آیا ہے یہ کوئی فرضی واقعہ نہیں ہے میرا واقعہ جس کو میں ان دونوں واقعات سے زیادہ اہمیت دیتا ہوں وہ زندہ جاوید واقعہ ہے جس کو دنیا کی تاریخ کبھی فراموش نہیں کرسکتی اور جس کا تجربہ پہلے کبھی نہیں ہوا جب یرموک کے میدان میں امیر المومنین عمر بن الخطاب رض کو یہ مصلحت معلوم ہوئی کہ حضرت خالد رض کو وہاں کی ہائی کمانڈ سے سبکدوش کردیں اور ان کے بجائے حضرت ابو عبیدہ رض کو مقرر کریں تو پہلی بار دنیا کے سامنے یہ مثال آئی کہ عین میدان جنگ میں جب تمام نگاہیں خالد رض پر جمی ہوئی تھیں اور ان کو فتح کا رمز سمجھا جاتا تھا اور غالباً حضرت عمر رض کی یہی مصلحت تھی کہ ذہنوں سے یہ نکل جائے کہ جہاں خالد رض ہوں گے وہاں فتح ہوگی، خالد رض اور فتح لازم وملزوم نہیں خدا پر سے توکل ہٹ کر کہیں وہ خالد رض کی ذات پر مرکوز نہ ہوجائے۔ جس وقت خالد رض کی معزولی کا فرمان خلافت پہونچا ہے عین میدان جنگ کے لئے تیاری ہو رہی تھی اور حضرت عمر رضی اللہ نے یہ فرمادیا تھا کہ خالد رض کی پگڑی اتار کر ان کے گلے میں ڈال دی جائے۔ علامت کے طور پر کہ لوگ سمجھ لیں کہ اب خالد رض اس منصب سے سبکدوش کئے جاچکے ہیں، حضرت خالد رض کو یہ پیغام سنایا گیا تو انہوں نے کہا اھلاً وسھلاً امنّا وسلّمنا فرمان خلافت سر آنکھوں پر میرے طرز عمل میں کوئی فرق واقع نہ ہوگا اگر میں خدا کے لئے لڑتا تھا تو اب بھی لڑوں گا اور اگر عمر رض کے لئے لڑتا تھا تو بیشک اب مجھے حق حاصل ہے کہ بیٹھ جاؤں اس لئے کہ عمر رض نے مجھ پر بے اعتمادی کا اظہار کیا ہے، مجھے اتنے بڑے اعزاز سے الگ کردیا ہے، دیکھنے والوں نے دیکھا اور تاریخ کی شہادت ہے کہ حضرت خالد رض اسی جانبازی سے ہتھیلی پر سر رکھ کر لڑتے رہے اتنے بڑے اعزاز سے کسی کو معزول کردیا جائے اور اس کے جوش وخروش میں اس کی مصروفیت میں فرق نہ آئے۔ آج متمدن جمہوریتوں میں ہم دیکھ رہے ہیں کہ کسی سے کوئی عہدہ لے لیا جاتا ہے تو اس پر افسردگی طاری ہوجاتی ہے اور وہ بجھ کر رہ جاتا ہے۔

مقصد کا عشق:

عقیدے کی وحدت، مقصد کی وحدت اور محبت کی وحدت حیرت انگیز تاریخ پیدا کرتی ہے، مقصد اور عقیدہ ایسا جو رگ وریشہ میں سرایت کرگیا ہو، ذوق و مزاج بن گیا ہو، وہ پیشہ، مشغلہ، مصلحت اور مفاد کی حیثیت نہ رکھتا ہو بلکہ وہ زندگی کا مسئلہ ہو، محبوب حقیقی ہو، مقصد سے صرف وابستگی کافی نہیں، مقصد سے صرف اتفاق کافی نہیں، لوگ اتفاق کو کافی سمجھتے ہیں یہ بڑی غلط فہمی ہے۔ مقصد سے عشق ہو، مقصد میں اور مقصد کے لئے کام کرنے والوں میں جب شمع اور پروانے کا رشتہ قائم ہوجاتا ہے تب ایسی مثالیں سامنے آتی ہیں۔ میں نے اسلامی عہد کی چند مثالیں آپ کے سامنے پیش کی ہیں، تاریخ اسلام میں ایسی متعدد مثالیں آپ کو ملیں گی۔

ہم بہت سی باتوں کو جانتے ہیں لیکن مانتے نہیں، بہت سی باتوں کو مانتے ہیں لیکن ان پر عمل نہیں کرتے، صرف اتنا کافی نہیں کہ ہم علمی اور ذہنی حیثیت سے کسی چیز سے متفق ہوں، بلکہ ہمارے اندر اس کا عشق پیدا ہوگیا ہو اور ہم اس کے لئے سب کچھ کرنے کو تیار ہوں۔

قرآن وسنّت کی حیات آفرینی:

اور یہ بات خدا اور رسول سے سچی محبت کے بغیر پیدا نہیں ہوسکتی، خدا اور رسول کی محبت محض مطالعہ سے محض غور وفکر اور ذہانت سے، تقریریں مقالے سننے سے حاصل نہیں ہوسکتی۔ یہاں جو تقریریں کی گئیں اور مقالات پڑھے گئے میں ان کا معترف ہوں، لیکن اگر ہم جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ ان سے محبت پیدا نہیں ہوتی۔ محبت پیدا ہونے کے لئے سیرت نبوی کا گہرا مطالعہ، اس طرح مطالعہ کہ سیرت نبوی غذا بن جائے، مشعل راہ بنجائے ہمارے پاس قرآن اور سیرت سے زیادہ کوئی طاقتور چیز نہیں۔ آپ حضرات نے میری جو عزت افزائی کی ہے اور جس اعتماد ومحبت کا اظہار کیا ہے اور جتنا فاصلہ طے کرکے میں یہاں آیا ہوں اس کا حق ہے کہ میں آپ کے سامنے اپنے مطالعہ کا نچوڑ اور اپنی زندگی کا خلاصہ پیش کردوں کہ آج ہمارے پاس اسلام کے خزانۂ عامرہ میں، اسلام کی جھولی میں قرآن مجید اور سیرت نبوی سے زیادہ طاقتور وسیلہ بلکہ حیات آفریں، انقلاب انگیز اور معجز نما کوئی چیز نہیں ہے، ہم جس چیز پر فخر کرسکتے ہیں ہمارے پاس طاقت کا جو سب سے بڑا سرچشمہ ہے جس سے ہم دلوں کو مسخر کرسکتے ہیں، ہم جس سے انانیتوں کو نفس کی شرارتوں کو جذبات کو مغلوب کرسکتے ہیں، جس سے دل کی دنیا بدل سکتی ہے، جس سے ہم زمین کی پستی سے آسمان کی بلندی تک پہونچ سکتے ہیں، شیطان کا مقابلہ کرسکتے ہیں ـــ قرآن مجید سے آج بھی طاقت اُبل رہی ہے، حیات آفرینی کے سرچشمے ابل رہے ہیں اور اُبھر رہے ہیں۔ دوم سیرت نبوی ہے، میں آپ حضرات سے خواہ آپ کا تعلق کسی بھی طبقہ سے ہو پرزور اپیل کروں گا کہ زیادہ سے زیادہ تعلق اور وابستگی اوّلاً قرآن مجید سے، اس کے بعد سیرت نبوی سے رکھیں سیرت نبوی میں آج بھی ایک نئی امت پیدا کرنے کی صلاحیت ہے، سیرت نبوی آج بھی دنیا میں ایک نیا انقلاب لانے کی طاقت رکھتی ہے سیرت نبوی میں وہ واقعات ملیں گے جو ہم کو خود فراموش بنا دیں اور ہمارے اندر ایک نیا جذبہ پیدا کردیں۔

نفسانیت، سب سے بڑا المیہ:

تاریخ اسلام کا سب سے بڑا المیہ نفسانیت کا وہ کھیل ہے جو ہمیشہ اپنا تماشہ دکھاتا رہا ہم نے کبھی اپنے دشمنوں سے شکست نہیں کھائی، تاریخ عالم اور تاریخ اسلام پر نظر رکھنے والے کی یہ بات سن لیجئے اور اس کو اپنے دلوں اور دماغوں میں امانت رکھ لیجئے کہ ہم نے کبھی اپنے دشمنوں سے شکست نہیں کھائی ہے، ہم نے اپنے اندرونی اختلافات سے شکست کھائی ہے، اسی نفسانیت کی بدولت ہم نے سلطنتیں کھوئی ہیں، ہمارے ملکوں کے چراغ گل ہوگئے ہیں اور اسلام پورے پورے ملکوں سے خارج کردیا گیا ہے۔

اس کی میں صرف ایک مثال دوں گا۔ وہ مثال اسپین کی ہے۔ اسپین سے اسلام کو نکالنے والی طاقت بجز نفسانیت اور باہمی خانہ جنگی کے اور کوئی نہیں تھی۔

میں اسے تسلیم نہیں کرتا کہ عیسائی طاقت نے اندلس سے اسلام اور مسلمانوں کو نکالا اور ان کا چراغ گل کردیا۔ یہ سب کرشمہ تھا شمالی عربوں حجازیوں اور یمنی عربوں کی باہمی آویزش اور آپسی نزاعات کا جو عرصے سے چل رہے تھے، یمنی اور حجازی، ربیعہ اور مضر کی آپسی جنگ سے یہ نوبت آئی کہ اسلام اسپین سے آخری طور پر نکال دیا گیا اور بقول اقبال کے الفاظ میں اذانوں سے محروم ہوگیا ہے

دیدۂ انجم میں ہے تیری زمیں آسماں
آہ کہ صدیوں سے ہے تیری فضا بے اذاں

یہی داستان اکثر اسلامی ملکوں کی ہے، برصغیر ہند میں مغلوں کا شیرازہ بکھیرنے والی، مسلمانوں کو اقتدار سے محروم کردینے والی اور ان کی طاقت کا چراغ گل کردینے والی چیز یہی نفسانیت تھی۔

اسلام کے فروغ کو مقصد بنایئے:

نفسانیت کا مرض محض نصیحتوں سے، مقالات سے، سیمینار سے اور علمی بحث ومباحثہ سے دور نہیں ہوسکتا۔ ہمیشہ کوئی بھی چیز اپنے سے زیادہ طاقتور چیز سے مغلوب ہوا کرتی ہے۔ آگ کو اگر بجھانا ہے تو پانی ڈالئے، اگر کسی چیز کو گرم کرنا ہے تو آگ جلایئے۔ باتوں سے نفسانیت دور نہیں ہوگی نفسانیت اس وقت دور ہوگی اور ہمارے درمیان اتحاد، باہمی ربط ومحبت اس وقت پیدا ہوگا جب ہم میں اپنے مقصد کا عشق غالب آجائے، جب اسلام کے فروغ پر ذاتی فروغ، قبائلی فروغ اور جماعتی فروغ پر ترجیح دی جائے گی تو بڑی ہولناک نتائج نکلیں گے جس کا تجربہ ہندوستانی مسلمان کرچکے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دامن گیر ہوں گے:

میں نے یورپ میں بار بار یہ بات کہی ہے کہ دوستو! تمہارے سامنے بہت بڑا امتحان ہے، قیامت کے دن تمہارا دامن ہوگا اور رسول اللہ صلعم کا ہاتھ ہوگا، رسول اللہ

عقیدے کی وحدت اور مقصد کا عشق قلبِ ماہیت اور ذہنی انقلاب میں مؤثر عامل

صلی اللہ علیہ وسلم یہ پوچھیں گے اور خدا تم سے یہ محاسبہ کرے گا کہ "ہم نے ایک بہت بڑا میدان دیا تھا جہاں تم احیائے اسلام اور دعوت اسلامی کا جھنڈا بلند کر سکتے تھے اور دنیا کے فاتحوں کو اپنا مفتوح بنا سکتے تھے، لیکن تم آپس میں لڑ مرے، تم آپسی نزاعات میں، کرسی کی جنگ اور اقتدار و عہدوں کی رسہ کشی میں مبتلا ہوئے" تو بتائیے اس روز ہم کیا جواب دے سکیں گے۔؟

حضرات! محبت کا سرچشمہ ہمارے دل میں ہے، خارج میں نہیں، اللہ تعالیٰ کی محبت کے بغیر کسی خارجی چیز سے باہمی الفت و محبت نہیں پیدا کی جا سکتی۔ اور اللہ تعالیٰ کی محبت کے حصول کا ذریعہ نماز پڑھنا، آنسو بہانا، دعا کرنا، راتوں کو اٹھ کر اپنے رب کے حضور اپنے بھائیوں کے اعلیٰ مراتب کی دعا کرنا اور یہ کہنا کہ ربنا اغفر لنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان ولا تجعل فی قلوبنا غلا للذین آمنوا اننک رؤف رحیم۔

(اے ہمارے پروردگار ہم کو بخش دے اور ہمارے اُن بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کی طرف سے کینہ نہ ہونے دیجئے اے ہمارے رب آپ بڑے شفیق رحیم ہیں)۔

اسلام کے مفاد کو، اسلام کی مصلحت کو ہر مفاد اور ہر مصلحت پر ترجیح دیجئے۔

اہل اللہ کا عمل:

شنیدم کہ مردان راہ خدا
دل دشمناں ہم نہ کردند تنگ
ترا کے میسر شود ایں مقام
کہ با دوستانت خلاف است و جنگ

لوگوں نے اپنے خون کے پیاسوں اور جانی دشمنوں کو معاف کر دیا ہے، میں ایک واقعہ آپ کو سناتا ہوں کہ ایک بڑے بزرگ پر کسی کو شبہ ہو گیا کہ انہوں نے اس کے روپے کی تھیلی چرا لی ہے اور اس نے بلا تحقیق بے تحاشہ ان بزرگ کو مارنا شروع کر دیا، جب لوگوں کو خبر ہوئی تو انہوں نے بیچ بچاؤ کیا اور مارنے والے کو ملامت کی کہ تو کس کو مار رہا ہے، یہ تو اولیاء اللہ میں سے ہیں، وہ شخص بہت شرمندہ ہوا اور معافی مانگی کہ خدا کے لئے مجھے معاف کر دیجئے۔ ان بزرگ نے جواب دیا کہ "میرے بھائی معافی کا کیا سوال ہے، جب تم مجھے مار رہے تھے تو میں خدا سے یہ دعا کر رہا تھا کہ خدایا! تو نے اگر یہ فیصلہ کیا ہے کہ میں اس وقت تک جنت میں قدم نہ رکھوں گا جب تک تو اس مارنے والے کو میرے ساتھ جنت میں داخل نہ کرے، میں تو یہ دعا کر رہا تھا چہ جائیکہ مجھے تجھ سے کوئی شکایت ہو۔

اصل سرچشمہ:

حضرات! ہمارے سامنے یہ نمونہ ہونا چاہئے۔ یہ مثالیں ہمیں سیرت نبوی، حالات صحابہؓ میں ملیں گی۔ سیرت نبوی کا زیادہ سے زیادہ مطالعہ کیجئے، آپ ایم۔ ایس۔ اے کی اس مبارک کانفرنس سے یہ پیام لے کر جائیں کہ اب ہمیں سیرت نبوی کو اپنا رفیق بنانا ہے، ہمیں اس سے رہنمائی اور ایمان کی حرارت حاصل کرنا ہے۔ آپ صحابہ کرامؓ کے حالات کا زیادہ سے زیادہ مطالعہ کریں، اپنی نمازوں کو درست کریں، خدا کے ساتھ جب تک تعلق درست نہیں ہوگا بندوں کے ساتھ ہرگز تعلق درست نہیں ہو سکتا، بندے خدا کے بندے ہیں اگر خدا کے ساتھ ہم نے تعلق درست نہیں کیا، اگر خدا کے ساتھ ہمارے دل کا رشتہ استوار نہیں ہوا، خدا کی محبت اگر ہماری رگ و پے میں سرایت نہ کر گئی، اگر خدا کو ہم نے راضی نہیں کیا تو آپ یقین مانئے کہ خدا کے بندوں سے کبھی ہمارا دل نہیں مل سکتا، ہم کبھی ایثار اور قربانی کے قابل نہیں ہو سکتے، اس لئے کہ اسلام میں ہر چیز کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی سچی محبت ہے۔

ضروری اعلان!

دفتر "تعمیر حیات" کو تعمیر حیات کے اگست، ستمبر اور اکتوبر ۸۰ء کے شماروں کی ضرورت ہے جو ایجنسیاں یا خریدار ریکارڈ فائل کی تکمیل میں تعاون فرمائیں گے انھیں شکریہ کے ساتھ قیمت پیش کی جائے گی۔

(منیجر)

از: جناب شورش کاشمیری مرحوم

مدح صحابہؓ

لکھنؤ کے شیعہ سنی قضیے کا ایک گمشدہ ورق

تحریک مدح صحابہ ابھی شروع ہوئی کہ مولانا عطاء اللہ شاہ بخاریؒ لکھنؤ میں تقریر کر رہے تھے اپنی تقریر میں کہیں خلفائے راشدین کا ذکر کیا تو ایک طرف سے آواز آئی۔

"شاہ جی! کیا کر رہے ہیں آپ؟"

شاہ جی نے پوچھا۔ کیا ہے بھائی؟

بتایا گیا کہ لکھنؤ میں مدح صحابہ ممنوع ہے۔

یہ تھا مدح صحابہ کے قضیہ میں احرار کا شمول معلوم ہوا کہ ۱۹۰۴ء تک لکھنؤ میں شیعہ سنی قضیہ نہ تھا مگر اس سال ایک شیعہ مقبول احمد نے فتنہ جگایا، نتیجۃً دو کربلائیں ہو گئیں، شیعہ کربلا کا نام تال کٹورہ تھا۔ سنیوں نے اپنی کربلا کا نام پھول کٹورہ رکھا چونکہ سنیوں کا غلبہ تھا اس لئے ان کے جلوسوں کی رونق سوا ہو گئی۔ ہندو بھی اپنا تعزیہ لے کر ان کے ساتھ مل گئے۔ یہ ۱۹۰۶ء میں شروع ہوا ۱۹۰۸ء میں شیعوں نے گورنر یوپی سے شکایت کی کہ سنیوں کا جلوس روکا جائے اور خلفائے راشدین کی مدح نہ ہو کیونکہ اس طرح ان کے جذبات مجروح ہوتے ہیں۔ گورنر نے اس کی تحقیقات و سفارشات کے لئے ایک آئی۔ سی۔ ایس مسٹر پگٹ کی صدارت میں کمیشن بنا دیا جس کے ارکان میں دو ہندو، دو سنی اور دو شیعہ تھے۔ اس کمیشن کی رپورٹ پر یوپی گورنمنٹ نے اس ترمیم کا اضافہ کیا کہ کسی بھی پبلک مقام پر ابوبکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ کی مدح زیر دفعہ ۲۹۸ قابل مواخذہ ہے۔ اس پابندی کے بعد شیعہ و سنی ایک ہی قوم کے دو متحارب فریق ہو گئے کوئی ۲۸ برس بعد (۱۹۳۶ء) اس باب میں مسٹر اے ٹی نقوی جو لکھنؤ میں سٹی مجسٹریٹ تھے اپنے شیعہ عقائد کی وجہ سے سنیوں کی دل آزاری کا باعث ہوئے۔ انہوں نے میلاد النبی کا جلوس نکالنے اور اس میں مدح صحابہ پڑھنے کی ممانعت کر دی واضح رہے کہ یہی سٹی مجسٹریٹ پاکستان آ کر کراچی کے چیف کمشنر ہو گئے۔ ان کی بدولت لکھنؤ میں پہلی دفعہ جن تین صاحبوں کو مدح صحابہ کے جرم میں پکڑا گیا وہ مجلس احرار کے کارکن تھے ان کی گرفتاری سے عوام مشتعل ہو گئے اور سول نافرمانی شروع ہو گئی۔

۱۳ر اپریل ۱۹۳۷ء کو یوپی گورنمنٹ نے الہ آباد ہائی کورٹ کے جج مسٹر جسٹس السپ کی صدارت میں اس قضیہ کا حل تلاش کرنے کے لئے کمیٹی بنائی۔ اس کمیٹی نے ۱۵ر جون ۱۹۳۸ء کو اپنی رپورٹ میں سنیوں کے حق مدح صحابہ کو تسلیم کیا لیکن معاملہ علاجوں کا توں رہا۔

مولانا حسین احمد مدنیؒ نے مداخلت کی اور یوپی گورنمنٹ کو احوال و کوائف کے علاوہ تاریخ و آثار سے مطلع کیا۔ لیکن بیل منڈھے نہ چڑھی۔ لکھنؤ میں ۸۰ ہزار سنی اور ۲۰ ہزار شیعہ رہتے تھے شیعوں کے سال بھر ۴۴ جلوس نکلتے لیکن سنیوں کو ایک جلوس بھی نکالنے کی اجازت نہ تھی۔ بقائی احرار نے میلاد النبی پر جلسہ کرنا چاہا لیکن پولیس نے مدح صحابہ کے خدشہ سے رکوا دیا اور یوپی کے بعض احرار زعماء پکڑ لئے۔ اس شرارت کا سرغنہ وہی ابوطالب نقوی تھا جس نے مدح صحابہ کے جرم میں کئی ہزار مسلمانوں کو جیل میں ڈلوا دیا۔ احرار راہنماؤں میں مولانا مظہر علی اظہر شیعہ تھے انہوں نے تحریک مدح صحابہ کے نام پر ایک کتاب لکھی اور سارا مسئلہ بیان کیا کہ کس قسم کے لوگ استعمار کو تقویت پہنچانے کے لئے مدح صحابہ کر رہے اور ان کے عزائم کیا ہیں؟

شاہ جی نے لکھنؤ میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ چیز تو سمجھ میں آتی ہے کہ کسی کو گالی نہ دی جائے لیکن یہ سمجھ نہیں آتا کہ فلاں کی مدح نہ کی جائے۔ اس قسم کا انوکھا قانون لکھنؤ ہی میں ہے کہ مسلمانوں کے دو فرقوں میں سے اقلیت کا فرقہ اکثریت سے مطالبہ کرتا اور قانون کی آڑ لیتا ہے کہ وہ قرن اول کے اسلام کی اُن شخصیتوں کا نام نہ لیں اور نہ اُن کی منقبت سنیں جو مدینہ طیبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں سو رہے ہیں۔ مظہر علی نے کہا اگر ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ کے نام گردن زدنی ہوتے تو علی مرتضیٰؓ اپنے بیٹوں میں سے تین کے نام ان کے نام پر نہ رکھتے۔ یہ شیعوں کی زیادتی ہے کہ وہ کربلا کے شہداء میں ان کا نام نہیں لیتے حالانکہ ۷۲ کے قافلہ میں یہ تینوں بھائی کربلا ہی میں شہید ہوئے تھے۔

آواز آئی "مظہر علی شیعہ ہو کر کیا کہہ رہے ہو"؟

جواب دیا۔ "وہی کہہ رہا ہوں جو حق ہے میرے پاس مولا علی علیہ السلام کی سند ہے۔"

(ماخوذ از کتاب:)
(سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ ص ۲۶۱-۲۶۲)

نیویارک میں ایک مسافر کی عید

دار العلوم ندوۃ العلماء کے شعبۂ انگریزی کے بزرگ استاد جناب محمد سمیع صاحب صدیقی ایم۔ اے، بی ایڈ ان دنوں امریکہ میں مقیم ہیں، موصوف نے اپنے دوران قیام امریکی زندگی کے مشاہدات و تجربات کی روشنی میں مختلف عناوین کے تحت معلومات افزا مضامین ادارۂ تعمیر حیات کو روانہ فرمائے اس سلسلے کا پہلا مضمون پیش ہے۔ جناب ماسٹر عبد السمیع صدیقی کے صاحبزادے ڈاکٹر مطیع صدیقی نے امریکہ میں مستقل قیام کر لیا ہے، اپنا ذاتی مکان بنایا ہے اور اس کا نام "مندرہ" رکھا ہے۔

★

۵ر جون ۸۰ء کو آغاز سفر ہوا۔ ۶ کو علیگڈھ پہونچا۔ ایک ماہ قیام کے بعد ۹ر جولائی ۸۰ء کی صبح کو عازم دہلی ہوا۔ جناب قاضی ارشاد حسین صاحب (ہمدرد) کے مکان پر قیام کیا۔ ۳۶ گھنٹے دہلی کے قدیم حصے میں بسر کی۔ ۱۲ بجے شب میں پالم ایرپورٹ پر عزیزوں اور احباب کے ساتھ پہنچ گیا۔ سارے مراحل طے کر کے اور سب سے رخصت ہو کر پورٹ کے ہال میں داخل ہو گیا۔ ہوائی جہاز سے پہلی بار سفر کر رہا تھا۔ دہلی سے نیویارک تک ۹½ ہزار میل کا فاصلہ آسمان سے باتیں کرتے ہوئے طے کرنا تھا۔ ایئر انڈیا کے فلائٹ نمبر ۱۰۱ ہوائی جہاز میں جا بیٹھا۔ اہلیہ بھی ساتھ تھیں ہم دونوں کی عمریں ایسی نہ تھیں کہ ایسے مہمات کو خوش آمدید کہیں اور سفر کی صعوبتوں کا مقابلہ کریں۔ یہ دیکھ کر تسکین ہوئی کہ ہماری عمر کے متعدد حضرات سفر پر آمادہ ہیں معلوم ہوتا تھا کہ ایک ہال میں بیٹھے ہیں۔ شربت۔ چائے، ناشتہ کھانا سب من و سلویٰ کی طرح اُتر رہا ہے۔ چند نوجوان خوبرو و خوش پوش اس کام کو انجام دے رہی ہیں۔ صرف بلاغ و دراغ کی کمی ہے۔ لاؤڈ اسپیکر سے آواز سنائی دے رہی ہے۔ راحت و آرام، ہوشیار رہیے (بیلٹ باندھنے کے لئے) موسم وغیرہ کے متعلق اطلاعیں دی جا رہی ہیں۔ کرسی پر بیٹھے بیٹھے سونے کی عادت نہ تھی نیند کوسوں دور تھی، پلک بھی نہ جھپکی، بجلی کی روشنی کبھی مدھم کر دی جاتی۔ ایئر کنڈیشن کھلا رہتا۔ باہر کیسا ہی موسم ہو اندر ٹھنڈک رہتی۔ آسمان ہی پر صبح ہوئی۔ آفتاب نکلا وہ پیچھا کرتا رہا، ہم آگے بڑھتے رہے وقت کے گزرنے کا احساس نہ ہوتا جہاز چار سو میل کی رفتار سے اُڑ رہا تھا۔ ہمارے اندر فقط یہ احساس تھا کہ ایک ہی مقام پر ہیں۔ صرف انجن کی آواز جھروکے کھلنے پر سنائی دیتی۔ ارض و سما کے درمیان اتنی بلندی پر تھے کہ زمین کی کوئی چیز نظر نہ آتی۔ مختلف شکلوں میں ابر نظر آتا۔ البتہ جہاز کے اترنے کے وقت دریا، درخت، اشجار اور آبادی نظر آتے۔ ۱۵۔ اور ۱۶ گھنٹوں میں ایشیا اور یورپ کے وسیع خطے طے ہو گئے ۱۱ بجے دن میں لندن کے ایرپورٹ پر اُترا۔ یہاں سے ہوائی جہاز کی ایک جست اور باقی تھی خشکی نہیں بلکہ تری کے اوپر سے گزرنا تھا ہوائی جہاز نے پھر پرواز کی۔ بحر اٹلانٹک کے اوپر ۳½ ہزار میل کا فاصلہ ایک ہی جست میں پار کر لیا۔ سہ پہر کے ۳½ بجے دن میں انٹرنیشنل کینیڈی ایرپورٹ سے جا لگا۔ معلوم ہوتا تھا کہ ۱۲½ بجے روانہ ہو کر ۳½ بجے پہونچ گئے یعنی صرف تین گھنٹے میں۔ حالانکہ سات گھنٹے لگے۔ کل پرواز میں دہلی سے نیویارک تک ۲۳ گھنٹے لگے۔

نیویارک میں سہ پہر تھا جب کہ لکھنؤ میں ۱½ بجے شب کا وقت ہوگا۔ جہاز اور آفتاب کا مقابلہ ختم ہوا۔ ہم پورٹ کے اندر ہی تھے کہ ڈاکٹر احمد مطیع نے خیر مقدم کیا۔ یہ ۱۱ر جولائی کو عصر کا وقت تھا۔ موسم گرما میں یہاں کے دن بڑے ہوتے ہیں۔ میاں مطیع۔ اہلیہ اور میاں سعدی کے کے ساتھ کار میں بیٹھ کر گھر پہنچ گئے۔ ظہر اور عصر کی نماز ایک ساتھ ادا کی۔ شام کو ڈاکٹر مطیع کے متعدد دوست ملنے آئے۔ یہ سب ہندوستان سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہ ڈاکٹری۔ انجینئرنگ اور کاروباری زندگی اختیار کئے ہوئے ہیں۔

انسانی تخلیقات۔ ایجادات اور قدرتی رازوں کے انکشافات سے "لقد کرمنا بنی آدم" اور "خلیفۃ فی الارض" کی تفسیر اور عملی مظاہرہ اور مثال سامنے آئی۔ شب و روز یہاں کے ایرپورٹ سے ہوائی جہاز اڑتے اور اترتے ہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ فی منٹ ایک ہوائی جہاز کی اوسط پرواز ہے۔

ایک ایسے مکان میں قیام ہے جسے مولانا علی میاں نے پسند فرمایا اور قیام کیا۔ راحت و آرام کے سارے ضروری سامان مہیا ہیں۔ غسل اور وضو کے لئے گرم و سرد ٹیپ ہر وقت جاری رہتے ہیں۔ گرمی میں اندر ٹھنڈک رہتی ہے اور سردی میں گرمی۔ باہر برف باری بھی ہو تو غسل کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی بلکہ گرم پانی اور لطف پیدا کر دیتا ہے۔ گیس اور بجلی کے چولھوں پر کھانا پکتا ہے برقی روشنی میں راتیں گزرتی ہیں۔ اُسی کمرہ میں رہ رہا ہوں جس میں علی میاں نے دو بار قیام فرمایا۔ پہلی بار آٹھ نو دن۔ دوسری بار ڈھائی تین دن۔ یہیں سے مراجعت وطن فرمایا۔

مکان ایک غیر مسلم آبادی میں واقع ہے صاف ستھرا پرسکون علاقہ ہے۔ کان کلن اوینیو Conklin Avenue پر آخری مکان ہے۔ مکان دو منزلہ ہے۔ سرسبز اور شاداب لان ہے، قریب قریب ہر مکان ایسا ہی نظر آتا ہے۔ ہرے بھرے پودوں کے رکھنے کے سب لوگوں میں خاص شوق پایا جاتا ہے۔ بیرونی کھڑکیاں۔ ہال اور کمرے سب میں چھوٹے بڑے گملے رکھے ہیں۔ مکانوں کی باہری چھتیں ڈھالو بنائی گئی ہیں۔ سفید، سرخ، سیاہ رنگ کی پینٹ ہوتی ہے۔ تسلسل سے گنجلک آبادی نہیں ہے ہر مکان کے درمیان فاصلہ ہوتا ہے۔ دور فاصلہ پر اپارٹمنٹ کے بلاک ہوتے ہیں۔ جنہیں فلیٹ کرایہ پر اٹھتے ہیں۔ ان اپارٹمنٹس کے سامنے سڑک پر ایک جا لوگوں کے کاروں کی پارکنگ کی جگہ ہوتی ہے۔ ایک کنارہ سے دوسرے کنارہ تک کاریں کھڑی کرتے ہیں۔ گرمی، سردی، بارش، برف باری میں یہیں کھڑی رہتی ہیں ان کے لئے کوئی گیراج نہیں ہوتا۔ کبھی آپس میں تو تو میں میں سنائی نہیں دیتی۔

اس طرح ایک ماہ گزر گیا۔ رمضان المبارک کا مہینہ سامنے آ گیا۔ آخر ۱۶ر اگست یوم سہ شنبہ سے پہلا روزہ شروع ہو گیا۔ یہاں ایک ایسا عالم ہے کہ اس کی کوئی اہمیت ہی معلوم نہیں ہوتی۔ اذان کا ہونا۔ سائرن کا بجنا۔ لاؤڈ اسپیکر پر اذان کی آواز۔ مسجدوں میں افطار کرنے والوں کا مجمع۔ بڑی جماعتوں کا ہونا۔ سحری جگانے والوں کی آوازیں نعرہ و ترانہ کسی بات سے دور دور کا سابقہ نہیں۔ اپنا گھر مسجد ہے۔ یہاں خانہ ہے۔ سونے اور جاگنے کی جگہ ہے مہمانوں اور دوستوں کی آمد سے خارجی دنیا سے تعلق کا احساس ہوتا ہے۔ بچوں کے شور و غل سے زندگی کے آثار ملتے ہیں۔ علی میاں جب تک تھے کمرہ میں اذان ہوتی جماعت ہوتی اب کان اذان سننے کو ترستے ہیں۔

روزہ بھر یہ معمول رہا کہ ۳½ بجے شب میں عزیزہ رابعہ (اہلیہ ڈاکٹر مطیع) سحری لاتیں جو ایک پیالہ دودھ اور کھانے کی کوئی ہلکی سی چیز پر مشتمل ہوتی۔ سحری کے بعد ۵ بجے تک نفلیں پڑھتا رہتا۔ کچھ تسبیح بھی فجر کے اول وقت میں نماز پڑھتا اور تلاوت قرآن پاک کرتا ۷½ کے قریب بستر پر چلا جاتا۔ کافی دن چڑھے اٹھتا کلام پاک کی تلاوت کرتا۔ بچے نیویارک ٹائمس لا دیتے اسے ۲½ بجے تک دیکھتا۔ ظہر کے بعد انگریزی کا ترجمہ قرآن اور نوٹس دیکھتا رہتا پھر کچھ لکھتا پڑھتا یا خط لکھنا ہوا تو اُسے انجام دیتا۔ مغرب کا وقت ابتدا میں ۸ بجکر ۲۰ منٹ پر شروع ہوا اور آخری روزہ کے دن ۸ بج کر ۲ منٹ پر ختم ہوا افطار میز پر لگ جاتا۔ روزہ دار اور غیر روزہ دار نیز مہمان سب کو افطار کے لئے میز پر بلا لیتا۔ میوے پھلکیاں۔ پاپڑ۔ تری سامنے ہوتی۔ دس بارہ منٹ بعد اُوپر کمرہ میں آ جاتا۔ یہی جگہ ہے جہاں مولانا علی میاں، مولوی رابع، سید حسن عسکری صاحب۔ ملنے جلنے والے ہیں اور ڈاکٹر مطیع اذان کے بعد شریک جماعت ہوتے، ایک روحانی فضا پیدا ہو جاتی۔ غالباً اسی کی برکت ہے اب بھی نماز یہاں ہوتی رہتی ہیں گھر کے بڑے اور بچے شریک ہوتے ہیں، ایک دن ڈاکٹر جمیل (الٰہ آباد) کے یہاں افطار اور کھانے پر مدعو تھا۔ سارا گھر وہیں گیا۔ ۱۲ میل کی دوری پر رہتے ہیں۔ ڈاکٹر عرفان خلف امین سلونی (لکھنؤ) کا خاندان بھی آ گیا۔ افطار کے بعد مغرب کی نماز باجماعت ادا کی گئی۔ دس بارہ لوگ بچوں کو لے کر شریک ہوئے۔ بچوں کو محسوس ہوا نماز کیا چیز ہے اور کیسے پڑھی جاتی ہے۔ یہاں بچوں کے لئے اسلامی ماحول بالکل نہیں ہے۔ والدین اردو بولتے ہیں مگر بچے انگریزی کے سوا کوئی زبان نہیں بولتے۔ لہجہ بھی امریکی ہوتا ہے۔ اسکول کا ماحول مذہب یا خدا پرستی سے دور ہے۔ عیسائیت اور یہودیت بھی خالق اور مخلوق۔ عبد و معبود کے تصور سے بھی آشنا نہیں ہے۔ کچھ ہمیں ضرور ادا کیجاتی ہیں۔ اسکول میں سیکولر نظریہ حاوی ہے۔

رمضان کا مہینہ ختم ہوا اسلامی سنٹر نیویارک اور دیگر جماعتوں نے عید کی آمد کا خیر مقدم کیا۔ عید الفطر کی نماز کے اوقات کا اعلان ہوا معلوم ہوا کہ تین چار مقامات پر عید کی نماز ہوگی Manhattan میں بھی نیویارک شہر میں Queens میں فلشنگ میڈو پارک (Flushing Meadow Park) میں۔ اور کچھ فاصلہ پر ایک ہال میں نماز عید ادا کی جائے گی۔ پہلے خیال ہوا کہ شہر میں جہاں سب سے بڑی جماعت ہوتی ہے اس میں شریک ہوں لیکن آئی لینڈ سے دوری کے باعث خیال بدل دیا گیا اور Queens کے ہال میں نماز پڑھنے کے لئے فیصلہ ہوا۔

عید کی صبح ہوئی۔ اس کی خوشی منانے کے لئے ہم سات افراد تھے۔ دو بڑے۔ دو عورتیں اور تین بچے۔ باقی حصہ میں شمل سابق سناٹا رہا۔ ہمارے ہندوستان میں تو ایسے موقع پر ہندو حضرات بھی

←

عید مبارک کی خوشی میں شریک ہوتے ہیں۔ غرض کہ کپڑے بدلے گئے، ناشتہ پہلی بار صبح کے وقت کیا گیا اور عیدگاہ کے لئے ۷ بجے تیار ہو گئے۔ ڈاکٹر عرفان کی آمد کا انتظار ہونے لگا۔ جب تاخیر ہونے لگی تو ڈاکٹر مطیع نے کار نکالی اور ہم چار نفر اس میں بیٹھے اور ان کے گھر پہنچ گئے۔ دیکھا کہ پورا خاندان باہر آگیا ہے اور اپنی کار میں بیٹھ رہے ہیں۔ دونوں کاریں اپنے اندر خوش نشینوں کو لئے ہوئے عیدگاہ کے ہال کی طرف چل رہی تھیں۔

صبح کے ساڑھے آٹھ بجے تھے۔ یہ وہ وقت ہوتا ہے جبکہ لوگ اپنی اپنی کاروں پر نکل پڑتے ہیں اور کاموں پر پہونچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ شاہراہیں کاروں ہی کاروں پر ہوتی ہیں جو راستہ ۵ امنٹ میں طے ہوتا ہے اسی میں ۴۵ منٹ لگ جاتے ہیں۔ یہاں کا نظام ایسا میکانکی ہے کہ کوئی توڑنے کی ہمت نہیں رکھتا اگر ایسا کرے تو فوراً حادثہ کا شکار ہوگا۔ شاہراہ پر چھ راہیں (Lanes) ہوتی ہیں۔ تین آنے اور تین جانے کے۔ کاریں متوازی مسلسل چلتی رہتی ہیں۔ ہر چوراہے اور ہر دوسری سڑک ملنے پر سرخ اور ہری برقی روشنی سے کام لیا جاتا ہے۔ سرخ روشنی پر ٹھہرنا لازمی ہے ایسے مقام پر تینوں راہوں میں تین کاریں اور پیچھے دور تک سینکڑوں کاریں کھڑی ہو جاتی ہیں۔

اس طرح چلتے اور رکتے ہال کے قریب پہنچ گئے۔ اب کاروں کے پارک کرنے کا مسئلہ سامنے آیا منتظمین نے ہال کے پشت پر ایک وسیع جگہ مخصوص کر رکھی تھی۔ وہاں گاڑیاں کھڑی کی گئیں۔ آہستہ تکبیر کہتے ہوئے ڈیڑھ سو گز پیدل چل کر ہال کے سامنے جا پہونچے۔ زینوں پر چڑھ کر ہال کے باہری دروازہ کے اندر داخل ہو گئے۔ مجمع باہر گیلری میں اور ہال میں لگا ہوا تھا۔ گیلری میں داخل ہونے پر دیکھا کہ بائیں جانب اسلامی کتب کے اسٹال لگے ہوئے ہیں۔ لوگ دیکھ رہے ہیں اور خریداری کے موڈ میں ہیں۔ میاں فیضی نے بھی پکتھال کے انگریزی ترجمہ کے ساتھ قرآن پاک کو خریدنا چاہا اسی میں اردو ترجمہ کا بھی اضافہ تھا۔ پسند کر کے علٰحدہ رکھا دیا۔ اس کا ہدیہ دس ڈالر یعنی ۸۵ روپیہ کے قریب ہوا۔ داہنے جانب ہال کے داخلہ کے دو دروازوں پر پلاسٹک کے تھیلے تقسیم ہو رہے تھے اُسے لیکر جوتے اسمیں ڈال کر ہال میں چلے گئے۔ جوتوں کے تھیلوں کو ایک کونے میں رکھ دیا گیا۔ کچھ لوگ اپنے پاس ہی رکھے رہے۔ سارے ہال میں فرش بچھا ہوا تھا صفوں کا رُخ مشرق جانب تھا کیونکہ کعبہ اسی رُخ پر واقع ہے۔ آفتاب کھڑکیوں سے جھانک رہا تھا۔ وسط میں ایک اسٹینڈ تقریر کے لئے رکھا تھا اسی کے بغل میں امام کے لئے جائے نماز بچھی تھی۔

مائک لگا ہوا تھا ایک صاحب مغربی لباس میں ملبوس پالدار ٹوپی لگائے ہوئے تقریر کر رہے تھے۔ بلند آواز سے تکبیر اللہ اکبر اللہ اکبر .... و للہ الحمد کہتے اور مجمع بلند آواز سے تقلید۔ اس ہال کے داہنے جانب ایک اسٹیج بنا ہوا تھا۔ بڑے بڑے پردے لٹک رہے تھے۔ غالباً اس پر کوئی ڈراما ہوتا ہوگا۔ یہاں عورتوں کی صف بندی، ہال کے پیچھے کے حصہ میں بھی عورتوں کے لئے انتظام تھا ہم دوسری منزل پر تھے۔ ساری تقریر نماز عید اور سکون سے خطبہ سننے کے لئے تھی۔ تقریر ختم ہوئی۔ امام صاحب میز نما اسٹینڈ پر کھڑے ہوئے۔ نوجوان تھے کوٹ پہنے ہوئے تھے۔ ایک بلند ٹوپی سر پر تھی سیاہ ریش مبارک تھی۔ انگریزی میں مجمع کو خطاب کیا۔ مختصراً وہی باتیں دہرائیں جسے پہلے مقرر نے بتلائی تھیں۔ چونکہ حنفی المشرب تھے صرف ۶ تکبیرات زائد کے لئے کہا۔ معلوم ہوا ہے کہ جہاں عرب یا مصری نماز پڑھاتا ہے وہاں نو اور بارہ تک تکبیر کہی جاتی ہیں۔ انگریزی لہجہ سے معلوم ہوتا تھا کہ پاکستان سے تعلق رکھنے والے تھے۔ صف بندی ہوئی۔ نیت کی گئی۔ ہاتھ باندھے گئے تکبیریں ہوئیں قرأت کی گئی۔ رکوع و سجود کئے گئے۔ دوسری رکعت بھی ہوئی۔ اس طرح خالق کائنات کے سامنے تشکر کے احساس کے ساتھ رمضان کے مہینہ میں روزہ رکھنے کی توفیق اور عید کو مسرت کے ساتھ منانے اس کے لئے سربسجود ہوئے۔ غافل قلب کچھ لمحوں کے لئے اس کی طرف مائل ہوا نماز کے دوران مائک کام کرتا رہا۔ نظم کے ساتھ مجمع نے نماز ادا کی۔ امام نے سلام پھیرا اور مائک پر خطبہ کے لئے کھڑے ہو گئے۔ مجمع خاموش بیٹھا رہا حمد و ثنا کے بعد قرآن کے اس حصہ کی تلاوت کی جہاں "شہر رمضان" کا ذکر ہے۔ انگریزی میں ترجمہ سنایا اور کچھ موضوع پر روشنی ڈالی۔ دوسرے خطبہ میں خطبہ مسنونہ جو چلا آتا ہے پڑھا پھر دعا مانگی گئی۔

نماز کی تکمیل کے بعد لوگ اٹھ گئے، مصافحہ اور معانقہ سے کام لیا۔ اور باہر نکلنے لگے۔ ہال کو خالی کرنا تھا تاکہ دوسری جماعت ہو سکے۔ ارادتاً ایسا کیا گیا تھا تاکہ دور دراز سے آنے والوں کو بھی نماز پڑھنے کا موقع مل جائے۔ یہاں عورتوں میں پردہ کا وہ تصور نہیں ہے جو ہمارے یہاں ہے سب اعلیٰ تعلیمیافتہ ہیں، مسائل سے واقف ہیں بلکہ حقوق طلبی کی گرویدہ ہیں۔ انگریزی بولتی ہیں کاریں بھی خود چلاتی ہیں۔ سب شریفانہ لباس میں ملبوس تھیں ورنہ امریکہ کا لباس عریانیت کا حامل ہے۔ کوئی ساری میں، کوئی پنجابی شلوار میں کوئی لکھنؤ کے غرارہ میں ملبوس تھا خال خال زیور بھی پہنے ہوئے تھیں جو کانوں اور گلے تک

محدود تھی۔ بے باکانہ مجمع میں شریک ہوئیں۔ انگریزی کی جتنی تقریریں ہوئیں خدا کا شکر ہے امریکی لہجہ نہ تھا۔ مجھے دو ماہ ہو گئے، کوشش کرتا ہوں کہ پوری بات سمجھ لوں مگر قاصر رہتا ہوں ہال سے باہر نکل کر کار کے پاس آئے جو ہم لوگوں کے لئے منتظر تھی۔ اس میں بیٹھے اور ۱۱ بجے گھر پر آ گئے۔ اسوقت ندوہ کی مسجد اور مکان کی یاد تازہ ہو گئی ندوہ کے حضرات، محلہ کے لوگ اور شہر کے لوگوں کا آنا نمازیوں سے مسجد کا بھر جانا نماز کے بعد ملنا۔ خوشی کا اظہار اس تصور کی دنیا میں کھو گیا۔

سب سے زیادہ وہ نقشہ سامنے آیا کہ عید کی نماز کے بعد علی محمد۔ امین اور پوری پارٹی مع بچوں کے آتی۔ عید ملتی۔ ان کی سویوں سے ضیافت کی جاتی۔ پھر سب کا رخصت ہو جانا، پھر دو۔ اساتذہ سے شرف ملاقات۔ مولانا معین اللہ صاحب کے یہاں جانا۔ شیر و کباب سے لطف اندوز ہونا۔ یہ سب کئی گھنٹے جاری رہتا۔ مولانا برہان صاحب۔ مولانا مرتضیٰ صاحب اور مولانا عبدالسمیع صاحب کا خیر مقدم کرنا یاد آتا ہے۔ زبان پر یہ شعر ہوتا ہے

انبساط عید دیدن روئے تو
عیدگاہ ما غریباں کوئے تو

شہر کا جانا دوسرے دن پر اٹھا رکھتا تھا۔ البتہ مکارم نگر کے حضرات ظہر اور عصر کے درمیان ملنا۔ سید شاہد علی صاحب۔ افتخار صاحب قدوائی۔ محی الدین صاحب۔ حکیم شرافت حسین صاحب۔ مولانا سید الرحمٰن اعظمی صاحب کے موجود ہونے پر ان سے ملنا۔ یہ تعامل ۱۹۴۰ء سے شروع ہو کر ۱۹۷۶ء تک رہا۔

۱۹۷۶ء میں مشیت ایزدی یہ ہوئی کہ میں سرزمین امریکہ کی سیر کروں اور اسکے سب سے زیادہ آباد اور مشہور شہر نیویارک میں عید مناؤں اُن بچوں کے ساتھ عید کی خوشی میں شریک ہوں جنھیں ۱۹۷۲ء سے نہیں دیکھا تھا۔ عید کا دن گزر گیا شب آئی ڈاکٹر جمیل صاحب اور ان کی بیگم ڈاکٹر فریدہ نے رات کے کھانے پر بلایا۔ ڈاکٹر فریدہ جناب عبدالغنی صاحب ریٹائرڈ کمشنر کی بیٹی ہیں جو علیگڈھ میں مقیم ہیں تین چار خاندان کے افراد جمع ہو گئے۔ کھانا ہوا اور آخر میں سوئیں پیش کی گئیں۔ عید منانے کی یہ محفل ۱۰ بجے رات تک جمی رہی۔ بچے جیس منٹ میں کھیلتے اور غل مچاتے رہے۔ ڈاکٹر جمیل کا یہ ذاتی گھر ہے۔ بڑا ہے اور پر رونق۔

عید کے دوسرے دن جمعہ تھا۔ کچھ سرآوردہ حضرات نے عید ملن پارٹی کا انتظام کیا۔ پروفیسر حسن (کولمبیا یونیورسٹی) اسد صاحب و بیگم اسد کالج لکچرر۔ خالد صاحب میڈیکل کالج لکچرر۔ ڈاکٹر جمیل و بیگم فریدہ۔ ڈاکٹر مطیع اور بیگم مطیع

وغیرہ نے اس کے انعقاد میں حصہ لیا۔ مالی امداد بھی کیا۔ Brook lyn جو ہمارے یہاں سے ۱۵ میل کی دوری پر ہے۔ اس کے ایک ہال میں لوگ جمع ہوئے۔ ۹ بجے سے تقریب شروع ہوئی۔ ہر عمر کے بچے خاندان کے ساتھ آئے اور اُچھل کود رہے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ میں کسی ممتاز گھرانے میں شادی کے موقع پر مدعو ہوں۔ مرد اور عورت۔ لڑکے اور لڑکیاں سب شریک ہیں۔ چاروں طرف کرسیاں لگی ہوئی ہیں۔ لیکن خوش کن بات چیت میں مشغول ہیں۔ پہلے شربت اور کوک سے نوازا گیا۔ پھر میز پر کھانا لگا۔ سارے کھانے کے برتن پلاسٹک کے تھے ایک بڑی طشتری میں کھانا لگا دیا گیا۔ لوگ لے کر کرسیوں پر بیٹھ گئے اور مزے سے کھایا۔ اس مجمع میں ایک ایسے شخص سے ملاقات ہوئی جن کے دادا اور والد سے میں واقف تھا۔ قندھاری لین میں شفیع زیدی صاحب کے مکان میں ۱۹۲۹ء سے ۱۹۳۶ء تک رہا تھا اسی کے قریب ان کا خاندان رہتا تھا۔ والد آر۔ ایم۔ ایس میں ملازم تھے۔ یہ سلطان محمود خانصاحب ہیں ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی۔ ایل۔ ایل۔ ایم۔ ایس، انشورنس کا کام انجام دیتے ہیں اول ہندوستانی ثم پاکستانی ہو گئے، اب امریکہ میں مع خاندان کے رہتے ہیں۔

میں محسوس کر رہا تھا کہ میں لکھنؤ کے بلند طبقہ میں پہنچ گیا ہوں۔ مردانگی عزت و شرافت ٹپک رہی ہے۔ صرف شستہ اردو زبان پر جاری ہے۔ کوئی انگریزی استعمال نہیں کرتا باوجود اس کے کہ سب انگریزی داں ہیں البتہ کم عمر بچے جو یہاں کے اسکولوں میں پڑھتے ہیں ان کی اردو اجنبیوں کی سی ہے انگریزی بولنے پر اکتفا کرتے ہیں۔ لہجہ بھی امریکی ہو گیا ہے۔ والدین کی تجویز ہے کہ سنڈے اسکول کا انتظام کیا جائے جہاں بچے دین سے تاریخ اسلام سے اور اردو سے واقف ہو جائیں۔ سب سے زیادہ خوش کن بات یہ تھی کہ پاکستانی اور ہندوستانی حضرات میل و محبت سے آپس میں بغل گیر ہوئے اور اخوت کا بہترین مظاہرہ کیا۔

اس اجتماع کا ایک خوش کن پہلو یہ تھا کہ بچوں کو عید کے تحفے دئے گئے دو برس سے لے کر ۱۴ برس کے لڑکوں کو اور بچیوں کو کھلونے تقسیم کئے گئے۔ چونکہ اجتماع میں جو ۵۰۔ ۶۰ افراد پر مشتمل ہیں سب سے معمر تھا مجھے تقسیم کرنے کے فرائض انجام دینے پڑے۔ دس سے چودہ برس کے لڑکوں کو لفافہ کے اندر دو ڈالر کی عیدی پیش کی گئی سب سے چھوٹا بچہ مشکل سے ڈیڑھ دو برس کا ہوگا ماں کے ساتھ آیا اور دونوں ہاتھوں سے اپنے

(بقیہ صفحہ ۱۰)

کیرالا میں ایک نئے متنبی کا ظہور

شیخ مم اُٹی کُرور اور انکی امّت

براہ کرم کوئی صاحب اسکا ترجمہ ملایالم میں نہ فرمائیں

ڈاکٹر
سید احتشام احمد ندوی
ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی
صدر و پروفیسر
شعبۂ عربی کالی کٹ یونیورسٹی
کیرالا

ملاپورم وادیوں اور پہاڑیوں کی سرزمین ہے جو سمندر کے کنارے واقع ہے۔ ایک پہاڑی پر کالی کٹ یونیورسٹی کے کوارٹر بنائے گئے ہیں اس کے نیچے وادی ہے جہاں آبادی ہے ناریل کے بلند و بالا درخت عجب حسن و نور کا عالم پیدا کرتے ہیں۔ اتفاق سے ایک دن میرا جانا اس وادی میں ہوا جہاں ایک عربی کا مدرسہ بھی ہے۔ مدرسہ کے ایک مولوی صاحب نے بتایا کہ اس وادی کے نصف حصہ میں ۲۰۰ اشخاص سے زائد شیخ مم اٹی کُرور کے پیرو ہیں۔ ہم لوگ ان کو مسلمان تصور نہیں کرتے۔ ان کو اپنے قبرستان میں دفن کرنے نہیں دیتے اور نہ یہ مسلمانوں کی مساجد میں داخل ہو سکتے ہیں۔ میں ایک مدت سے اس پہاڑی پر رہتا ہوں مگر مجھے اس کی خبر نہ تھی۔ میں نے شیخ کرور کے بارے میں معلومات حاصل کیں اور مجھے یقین ہو گیا کہ واقعی شیخ اور ان کی امت گمراہ جماعت ہے۔ سنا ہے کہ بعض لوگوں نے مساجد میں نماز کے سلسلے پر ہائی کورٹ میں مقدمہ دائر کر دیا۔ جس پر عدالت عالیہ نے یہی فیصلہ کیا کہ یہ لوگ مسلمان نہیں ہیں۔

ممّو دراصل محمد کا عوامی تلفظ ممّو سے مُم رہ گیا اُٹی دراصل کُٹّی ہے اہل کیرالا ہندو مسلمان سب کُٹی اکثر لکھتے ہیں۔ کٹی (کے معنی بچے کے ہیں) کثرت استعمال سے اُٹی ہو گیا۔ یہ شیخ صاحب معمولی پڑھے لکھے آدمی تھے۔ ان کا وطن کڈوتی تھا جو کالی کٹ ضلع میں واقع ہے شیخ صاحب نے لوگوں کو مرید کرنا شروع کر دیا، مگر اس کی پہلی شرط یہ تھی کہ پوری جائیداد مرید ان کے نام رجسٹرڈ کرا دے تب وہ مرید کرتے تھے۔ کہتے ہیں کہ پہلے وہ کوئی چیز گھول کر شربت میں پلاتے تھے اس کے بعد آدمی مجنونانہ ہر قیمت پر ان کا مرید بننے کو تیار ہو جاتا تھا۔ اندازہ ہے کہ کالی کٹ اور ملاپورم دونوں ضلعوں میں تقریباً ۵ ہزار ان کے مرید ہیں۔

شیخ کُرور کے مرید بننے کے بعد پھر نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ سب ساقط ہو جاتے ہیں اس لئے ان پر کسی قسم کی پابندی نہیں رہتی۔ یہ لوگ صرف ایک قصیدہ پڑھتے ہیں بطور عبادت جس میں کُرور اور ان کی بیوی کی مدح سرائی ہے یہ لوگ کہتے ہیں کہ عبادت کا مقصد خدا پر یقین ہے اور جب آدمی کرور کا مرید بن جاتا ہے تو یقین خود بخود آجاتا ہے اور غلط دلیل اس آیت کریمہ سے دیتے ہیں "واعبد ربك حتی یاتیك الیقین" اپنے رب کی عبادت کرو حتی کہ تم کو یقین آجائے۔ اس طرح دین کی تجارت سے شیخ مالدار ہو گئے اور ہزاروں، لاکھوں کی جائیداد کے مالک بن بیٹھے۔ دراصل شیطان شہوتوں کی راہ سے آتا ہے اسلام کی پابندی میں جو جسمانی اور مالی قربانی ہے ان سب سے نجات اور خواہشات نفس کے مطابق گذارنا دہریوں کا ہمیشہ سے اصول رہا ہے۔ گمراہ صوفیوں اور گمراہ شیوخ نے شریعت کی پابندی سے علی الاعلان مریدوں کو آزاد کر دیا ہے۔

غضب یہ ہے کہ یہ حضرات زندگی کی دو اہم چیزیں چھین لیتے ہیں ایک دین اور دوسرا مال۔ قرآن مجید میں بار بار اس کا ذکر ہے کہ شیطان اعمال قبیحہ کو مزین کر کے پیش کرتا ہے اور گناہوں کو نیکیوں کی شکل میں سامنے لاتا ہے ایک بار میں رائے بریلی گیا اس زمانہ میں مولانا ابوالحسن علی ندوی مدظلہ 'قادیانیت' پر کتاب لکھ رہے تھے تو میں نے ان سے دریافت کیا کہ آخر یہ صاحب بصیرت اعلیٰ تعلیمیافتہ لوگ کیسے مرزا صاحب کے بہروپ کا شکار ہو گئے؟ جیسے مولانا محمد علی لاہوری اور خواجہ کمال الدین وغیرہ۔ مولانا نے بڑی عمدہ بات کہی، فرمایا کہ "دین کی عقل الگ ہوتی ہے" واقعی اگر دین کی عقل الگ نہ ہوتی تو لوگوں کو اس طرح آسانی سے بیوقوف نہیں بنایا جا سکتا تھا۔

کہا جاتا ہے کہ شیخ کرور نے کلمہ میں بھی ترمیم کر لی تھی اور وہ کہتے تھے لا الٰہ الا اللہ مم اٹی رسول اللہ یا کہتے تھے لا الٰہ الا اللہ مم اٹی ولی اللہ۔ اس دیار کے علماء نے ان کو کافر اور ان کی امت کو بے دین اور کافر ہونے کا فتویٰ دیا۔ ظاہر ہے کہ جو فرائض کو ساقط کرتا ہو اور علی الاعلان اسلام کا مخالف ہو اس کے ساتھ نرمی کی گنجائش کہاں ہے؟

ربع صدی قبل شیخ کا انتقال ہو گیا ان کی اولاد کالی کٹ کے قریب کڈوتی میں رہتی ہے مگر یہ لوگ جدید تعلیم یافتہ ہیں انہوں نے بہت سی جائیدادیں بھی واپس کر دی ہیں ان کی فیکٹریاں ہیں اور چھوٹی سی بستی ہے جس میں آباد ہیں۔ ان کو شیخ کی غلط مذہبیت سے زیادہ دلچسپی نہیں مگر "پیراں نمی پرند مریداں می پرانند" والی مثل ہے۔

امت کرور سب جاہل ہے یہ لوگ مسلم معاشرے سے بالکل کٹ گئے ہیں۔ ان کا اپنا ایک معاشرہ ہے جو جہالت، بے دینی اور شیخ کی مدح پر مشتمل ہے مگر ہر گمراہ فرقہ کی طرح یہ لوگ بھی منظم ہیں لوگ ان سے ملتے اور گفتگو کرتے ڈرتے ہیں سنا ہے کہ یہ لوگ اتنے جذباتی ہیں کہ شیخ کے بارے میں کسی کی جان لینے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ وادی میں انہوں نے ایک مسجد بھی بنائی ہے مگر ابھی عمارت مکمل نہیں ہوئی اور نہ اس میں نماز ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان کی امت مسلمہ کو ہدایت اور صحیح دین کی نعمت سے نوازے اور خواہش نفس اور دین کے فرائض کی مخالفت سے نجات دے اور عقائد کی تصحیح کی توفیق عطا فرمائے۔

ومن یھدی اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ

(سنا ہے کہ دو آدمیوں نے توبہ کر لی ہے، اسلام قبول کر لیا ہے۔ الحمد للہ)۔

صفحہ ۸: نیویارک میں ایک مسافر کی عید

پیکٹ کو تھام کر ماں کی طرف پلٹ گیا۔ سبھی بچے اپنے پیکٹ کھول کر فرش پر بیٹھ گئے۔ مختلف النوع کھلونے سے کھیلنے لگے۔ اس تقریب کا آخری سین یہ تھا۔ ایک صاحب کراچی کے رہنے والے اسوقت شکاگو میں قیام ہے لوگوں کے اصرار پر وسط میں کھڑے ہو گئے اور اچھے انداز میں دو غزلیں سنائیں۔ اس پر سارے فنکشن کا اختتام ہوا۔

عید کی نماز سے کچھ پہلے ساجد حسین صاحب خلف جناب ہدایت حسین صاحب سے نماز کے ہال میں ملاقات ہوئی۔ بڑے احترام سے پیش آئے۔ ان کا چھوٹا بچہ ساتھ تھا شرماتے ہوئے سلام کیا۔ ساجد صاحب جوشیلے نوجوان ہیں۔ علی میاں کے موجودگی میں کئی بار آئے۔ فلاڈلفیا میں بھی ملاقات ہوئی۔ علی میاں کو کینیڈی ایرپورٹ پر رخصت کرنے بھی آئے تھے اپنے دونوں بچوں کو بھی ساتھ لائے تھے۔ موصوف نے مغرب بعد ایک دعوت میں شرکت کے لئے کہا جو ان کے اسلامی سنٹر کی جانب سے کسی میڈیکل ہال میں دی گئی تھی۔ شام کو دوسری جگہ مدعو تھا شریک نہ ہو سکا۔ موصوف جوش اسلامی رکھتے ہیں۔ اسی نوعیت کے کام میں مشغول رہتے ہیں اپنا کام بھی کرتے ہیں۔

یہ دیکھ کر بیحد خوشی ہوئی کہ اسلامی دارہ کے مختلف الخیال لوگ ایک ہی جگہ نماز ادا کرنے کے لئے جمع ہوئے ہیں۔ کچھ لوگ تو اسلامی مشن کا بھی کام کرتے ہیں۔ اسلامی سنٹر نیویارک وزرا اور فعال ہو جائے اور مسلمانوں میں صحیح اسلامی زندگی بسر کرنے کے لئے متوجہ بنائے تو ناخدائی کا کام آسانی سے انجام پا سکتا ہے۔ یہاں کی زندگی بڑی آزمائش کی زندگی ہے۔ رقص، نغمہ، مے خواری عام ہے۔ عورتوں کا شہرہ کہ عریانی اپنی جلوہ گری سے کام لیتی ہے۔ اس مسیحی اور یہودیت کی دنیا میں دامن کا بچانا مشکل ہو جاتا ہے۔ پس اگر اس حدیث پر نگاہ رہے تو نوجوان فاتح اندلس بن سکتا ہے۔

"ترکت فیکم امرین لن تضلوا ابدا ما تمسکتم بھما کتاب اللہ و سنۃ رسولہ"۔

مسلمان اور دنیا کی رہبری کے لئے یہی دو چیزیں کافی ہیں۔ صرف خلوص اور عمل چاہئے۔

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا تیسرا سالانہ دو روزہ اجلاس کا

آنکھوں دیکھا حال

محمد اعجاز عرفانی فاضل دیوبند (صدر مدرس مدرسہ اسلامیہ عربیہ سونس ضلع رانچی)

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا اجلاس شروع ہی ہونے والا ہے، رانچی میں آدمیوں کا ایک سیلاب امنڈ آیا ہے، جس کے جوش و خروش، دینی جذبات اور ملی احساسات سے ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ جس طرح پروانے شمع پر مرتے ہیں اسی طرح آدمیوں کا یہ سیلاب اور اسلام کے یہ پروانے، علماء و صلحاء، مفکروں اور دانشوروں پر جو شمع اسلام پر بیتابانہ قربان ہو رہے ہیں اور اس وقت رانچی کے ویلفیئر میدان میں لوگوں کی نگاہوں کا محور اور نظروں کا مرکز عالم اسلام کی وہ تاریخ ساز شخصیتیں ہیں جن کے جلوں میں متضاد صلاحیتوں کی کارفرمائی ہے اور جنہیں مبدأ فیاض صدیوں میں اپنے دستِ کرم سے اچھالتا ہے جن کے جذبۂ سرفروشانہ اور اسلامی خدمات کا ایک دور شاہد ہے اور جن کے دماغ اگر کتب خانۂ علم ہے تو دل خشیت و عبدیت کے بے پناہ جذبات سے لبریز، اور جنہوں نے اپنے خونِ جگر سے گلستانِ اسلام کو سینچا ہے دل و دماغ کے لہو سے اسلام کے پودوں کی آبیاری کی ہے۔

بہر حال اجلاس کی کارروائی شروع ہو رہی ہے قاری شعیب صاحب رحمانی قرآن مقدس کی چند الہامی آیات تلاوت کر رہے ہیں، تلاوت قرآن کے بعد قاری انوار صاحب عظمی ایک منظوم سپاسنامہ نغمہ سرا ہیں کہ:۔

خدا کی ابھی اللہ والے اس جگہ آئے
کہ جنکے دم قدم سے ہے جہاں تیرہ نورانی
یہ وہ اہل عزیمت ہیں کہ رخصت جن سے نادم ہے
یہ تقلید رسول حق سے ہیں محبوب یزدانی

اب مولانا احمد علی صاحب قاسمی جنرل سکریٹری مجلس استقبالیہ مائک پر نظر آ رہے ہیں خطبۂ استقبالیہ دیا جا رہا ہے جس میں اپنی بے بضاعتی اور بے سر و سامانی کے عاجزانہ احساس کا اظہار ہے شہر رانچی کی تاریخی حیثیت اور اسکی قومی و ملی خدمات کا بیان نیز مسلم پرسنل اور اسکے اراکین کا اس عہد ظلمت میں ثابت قدمی جرأت ایمانی، ملی بیداری اور دیگر تنظیموں و تحریکوں کی بے پایاں کاوش و رہنمائی اور تعاون کا شکریہ ادا کیا گیا اس کے بعد حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب صدر بورڈ کا نام نامی سماعت کی دہلیز سے ٹکرا رہا ہے مجمع میں ایک حیرت انگیز بیداری کی لہر دوڑ گئی ہے اور صدر بورڈ زبان حال سے یہ کہتے ہوئے کہ،

منہ پہ رکھو دامن گل رو بیں گے مرغان چمن
خاک اڑائے گی گلستاں میں صبا میرے بعد

مائک پر جلوہ گر ہیں مسلم پرسنل بورڈ کی غرض و غایت پر حکیمانہ انداز میں خطاب فرما رہے ہیں ان کی تقریر کی شگفتگی و شادابی نے پورے مجمع پر ایک سحر طاری کر دی ہے اور بقول عامر عثمانی مرحوم کہ اگر کسی نے پھول جھڑنے کے استعارہ کو مجسم نہ دیکھا ہو تو حضرت مہتمم صاحب کے متحرک ہونٹوں کو تو آپ بھی دیکھئے کہ کس طرح انکی زبان سے علم و حکمت کے پھول جھڑ رہے ہیں اور الفاظ موتیوں کی طرح بکھر رہے ہیں کہ،

"آپ خاتم الرسل ہیں نبوت کے تمام کمالات آپ پر ختم کر دئے گئے۔ نبوت دو چیزوں کا نام ہے کمالات علم اور کمالات اخلاق یہ دونوں چیزیں آپ کے اندر بدرجۂ اتم موجود تھیں، یہ امت خاتم الامم ہے اور یہ دین خاتم الادیان، اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ ہمیں اس نے خاتم الامم بنایا اور ہماری شریعت کو خاتم الشرائع، شریعت اسلامی کی ہزاروں شاخیں ہیں مگر درحقیقت اسلام پانچ شعبوں میں منقسم ہے، ۱- اعتقادات جسکی بنیاد توحید پر رکھی گئی ہے اور ۲- عبادات جس کا دار و مدار اخلاص پر ہے جس کی چار قسمیں ہیں نماز جانی عبادت ہے زکوٰۃ مالی عبادت ہے روزہ نفسی عبادت ہے اور حج اجتماعی عبادت ہے تیسرا شعبہ اخلاقیات کا ہے جس کی بنیاد تقویٰ پر ہے اور چوتھا شعبہ معاملات ہے جس کی بنیاد توازن، تواضع پر رکھی گئی ہے ہم میں سے قابلِ تکریم ہے وہ مسلمان جس کے اخلاق رحمانی ہوں اور جو اپنی بیبیوں کو باندی نہیں بلکہ رفیقۂ حیات سمجھتا ہو، پانچواں شعبہ اجتماعیات و سیاسیات ہے یعنی حکومت کس طرح بنایا جائے ایک دوسرے کے معاملات کیسے ہوں اور معاملات کے سلسلہ میں تمام عائلی قوانین بھی داخل ہیں، جب ان عائلی قوانین میں مداخلتیں ہونے لگیں اور حکومت نے یہ فیصلہ کیا کہ تمام کے لئے یکساں قوانین نافذ ہوں تو اسلامی شخصیات کے تحفظ کے لئے مسلم پرسنل لا بورڈ بنایا گیا کیونکہ یہی وہ امتیازی خصوصیات ہیں جن کی وجہ سے ہم مسلمان سمجھے جاتے ہیں۔"

اللہ کے آئین میں

مسلمان کوئی تبدیلی برداشت نہیں کریں گے،

اس عظیم الشان اجتماع کو دیکھ کر دو تاثر اور دو نتائج برآمد ہوتے ہیں جس طرح پروانے شمع پر گرتے ہیں آپ بھی اسلام کی شمع پر نثار ہو رہے ہیں۔ غیر مسلم پریس اس کثیر اجتماع کو چاہے جتنا بھی نظر انداز کرے لیکن یہ حقیقت ہے کہ اکثریتی فرقہ بھی آسانی سے اتنا بڑا مجمع نہیں کر سکتا۔

حضرات! یہ یاد رکھئے اللہ تعالیٰ اپنی کسی دی ہوئی نعمت کو اس وقت تک نہیں چھینتا جب تک قوم اپنی شامت اعمال اور کفران نعمت سے اپنے آپ کو بالکل غیر مستحق نہ بنالے یہ ملک بہر حال جمہوری ہے۔ اور ہمیں ایسے اجتماعات کا حق ہے۔ ہمارا یہ ایمان ہے کہ اللہ کا آئین عمیق تر ہے۔ اور ہم اس میں کسی ادنیٰ درجہ کی تبدیلی بھی برداشت نہیں کر سکتے۔

لیکن ہمیں یہ بھی سوچنا پڑتا ہے کہ کیا ہم نے خود اپنے گھروں میں قانون شریعت کو جاری کیا ہے۔ محض کنارہ پر کھڑے ہو کر فائدہ و نقصان دیکھنے سے کیا حاصل۔ البتہ عزم و ارادہ کر کے پورے طور پر اسلام میں داخل ہونے کی ضرورت ہے۔

مقام مسرت ہے کہ یہاں آکر آپ نے قانون شریعت کے ساتھ وابستگی کا اظہار کیا ہے اب آپ کا یہ بھی فرض ہے کہ آپ اس کے پورے طور پر وفادار بنیں اور رہیں۔ اور قانون شریعت کو برت کر اسلام کے تقاضے پورا کریں۔ اگر آپ نے ایسا کر لیا تو سارے مسائل، یقین جانئے حل ہو جائیں گے۔

(حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی)

حضرت مہتمم صاحب کی افتتاحیہ تقریر ختم ہوتے ہی بشیر احمد ایم۔ پی کے نام کا اعلان ہوتا ہے۔ بشیر احمد صاحب اب مائک پر نظر آ رہے ہیں خطابت کا آغاز ہو چکا ہے کہ،

"میں کہتا ہوں مسلمان ایک پلیٹ فارم پر جس طرح متحد ہیں اس طرح مسلمان نہ آزادی کے قبل متحد ہوئے نہ آزادی کے بعد جس طرح ایک بورڈ نے مسلمانوں آج یکجا کر دیا ہے اسی کا نتیجہ ہے کہ حکومت ہمارے قوانین تبدیل کرنے کی جرأت نہیں رکھتی جو بورڈ ہی کا طفیل ہے۔"

جناب بشیر احمد صاحب کے سلجھے ہوئے خیالات، زبان اثر انگیز، لب و لہجہ خطیبانہ کبھی پرجوش اور کبھی نرم، جس کی ولولہ انگیزی اور روح پروری اور انداز تخاطب سے پوری مجلس جیسے ان کی انگلیوں پر ناچ رہی ہے اور یہاں میں نغمہ سرا ہیں کہ،

اس غرت ناہید کی ہر تان ہے دیپک
شعلہ سا لپک جائے ہے آواز تو دیکھو

بشیر احمد صاحب کی شعلہ بار تقریر ختم ہوتے ہی مولانا محمد ہاشم صاحب فرنگی محلی مائک پر جلوہ افروز ہیں اور ان کے روح پرور انداز بیان نے مجمع کو ہمہ تن گوش کر لیا ہے کہ،

"قرآن و حدیث احکم الحاکمین کے بنائے ہوئے قوانین ہیں جس میں کوئی حکومت کوئی گورنمنٹ ترمیم نہیں کر سکتی۔"

مولانا محمد ہاشم صاحب کے بعد مولانا عبد الحمید عاقل حسامی مائک پر نظر آ رہے ہیں ان کی شرر پاش خطابت نے مجمع میں جان ڈال دی ہے اور آپ جذبۂ سرفروشانہ کے ساتھ خطاب کر رہے ہیں کہ،

"یہ حکومت خبردار ہو جائے ورنہ اس کا انجام بھی وہی ہوگا جو سابقہ حکومت کا ہوا کہ وہ دوسروں کی نس بندی کیا کرتی خود اس کی نس بندی ہو گئی

وہ خطابت جو اندھیرے میں اجالا کر دے"

مولانا عاقل حسامی کے رخصت ہونے کے بعد ایک ایسے خطیب کے نام کا اعلان ہوتا ہے جس نے اپنی شعلہ نوائیوں سے مردہ دلوں کو بیدار کیا جس کی خطابت کی کرشمہ سازیوں سے سینکڑوں خدا بیزار خدا پرست ہو گئے اور جس کی حکیمانہ و داعیانہ طرز تقریر نے اسرار شریعت رموز دین کی نقاب کشائی کی ظاہر ہے کہ یہ خطیب محمد سالم صاحب قاسمی کے علاوہ اور کون ہو سکتا ہے۔ اب مولانا محمد سالم صاحب مجمع سے خطاب کر رہے ہیں کہ،

وقت نے آپ کو ایک ایسے موڑ پر لا کھڑا کر دیا ہے کہ اگر آپ کے اندر ثابت قدمی ہے تو یہ دین مٹ نہیں سکتا اور آپ زندگی چاہتے ہیں تو اس باقی کا دامن تھام لیجئے جس کی ابدیت فکری و عقلی دلائل کی روشنی میں مسلم ہو چکی ہے اور اگر آپ اپنا رشتہ کسی فانی کے ساتھ جوڑیں گے تو پاش پاش ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔

مولانا موصوف اپنے منفرد اور مخصوص لب و لہجہ میں معلومات کا خزانہ بکھیر رہے ہیں الفاظ کا اتار چڑھاؤ، مفہوم و معنی کی گہرائی، لب و لہجہ کا پیچ و خم، خیالات کی بلندی، زبان کی پاکیزگی نے مجمع کو اس قدر مسحور کر لیا ہے کہ سارا مجمع دم بخود ان کی تقریر کی طرف ہمہ تن گوش ہے

نطق کو سو ناز ہیں تیرے لب اعجاز پر

اس کے بعد مائک پر جناب سلیمان سکندر صاحب نظر آ رہے ہیں اور اپنے پرجوش ساحرانہ انداز بیان سے گل افشانی گفتار کا جوہر دکھا رہے ہیں کہ

کاش کوئی جا کر یہ کہدے باغباں سے
گل مطمئن نہیں ہے نظم گلستاں سے

"حکومت بورڈ کو ایک مسلمہ ادارہ سمجھے اور جب تک بورڈ سے استمزاج نہ کرلے کوئی غیر ذمہ دارانہ کلمات استعمال نہ کرے

وہ عکم جو ہر دل میں جوانی بھر دے"

رات کی سیاہی گہری ہو چکی ہے۔ در و بام خاموش نظر آ رہے ہیں ماحول پر ایک بوجھل سکوت طاری ہے اب مولانا احمد علی صاحب قاسمی دعا فرما رہے ہیں، دعا کے بعد اجلاس عام کی پہلی نشست برخواست ہو گئی۔

دوسرے دن ۹ بجے رات کو دوسری نشست کا آغاز بھی مولانا شعیب رحمانی کی تلاوت کلام پاک سے ہوا۔ تلاوت کے بعد بورڈ نے باتفاق آراء جو تجاویز پاس کئے ان تجاویز کو مولانا احمد صاحب قاسمی نے پڑھ کر لوگوں کو سنایا۔ اسکے بعد عالم اسلام کی مشہور و معروف علمی و ادبی شخصیت مولانا ابو الحسن علی صاحب ندوی کا نام پکارا جاتا ہے جو صحیح معنوں میں اس سخن دلنواز کا امین ہے جو کسی میر کارواں کا رخت سفر ہوتا ہے اور اگر مولانا ندوی یہ دعویٰ کریں تو قطعی طور پر عدل و انصاف کی توہین نہیں ہوگی کہ،

کسی کو آتا تھا یہاں رشک گلستاں ہونا
ہم نے ہی گل کو سکھایا ہے زر افشاں ہونا

مولانا علی میاں صاحب ندوی مائک پر تشریف لا چکے ہیں ان کی زبان سے الفاظ کا آبشار بہہ رہا ہے خیالات کا ایک دریا موجزن ہے انکار عالیہ بکھر رہے ہیں کہ:۔

"آپ اسلام کے تقاضوں کو پورا کیجئے جن قوانین پر عمل نہیں کرتے ان پر عمل پیرا ہونے کا عہد کر کے یہاں سے اٹھئے اور اپنے آپ کو قانون الٰہی کے ڈھانچے پر ڈھالئے اور مسلم پرسنل لاء کے مسائل کو سب سے پہلے اپنے اوپر نافذ کیجئے ورنہ یہ شرعی نفاق ہوگا کہ آپ اپنے گھروں میں اسلامی طریقوں کو رائج نہ کریں اور مجموعی طور پر اسلامی قوانین میں مداخلت کے کے خلاف مظاہرہ کریں۔"

مولانا علی میاں صاحب ندوی کی تقریریں میں متعدد بار سن چکا ہوں اور مجھے ہر بار ایسا محسوس ہوا کہ علی میاں نہیں بول رہے ہیں بلکہ میں اپنے دل کی وہ آواز سن رہا ہوں جو آج تک کسی گوشہ میں چھپی ہوئی تھی آج سے پہلے غالب کا وہ شعر سنا تھا کہ

دیکھنا تقریر کی لذت جو اس نے کہا
میں نے یہ جانا گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

لیکن اس شعر کا حقیقی مفہوم میں نے اس وقت سمجھا جب اپنے دل کی سرگوشیوں کو مولانا علی میاں کے الفاظ میں بکھرتے دیکھا مولانا علی میاں کے بعد ہندوستان کی شب تاریک کا قندیل رہبانی یعنی مولانا منت اللہ رحمانی مائک پر آ رہے ہیں اور اپنی جادو بیانی کا جوہر اس طرح دکھا رہے ہیں کہ:

"بتاؤ اے لوگو! آخر آپ نے مسلم پرسنل لا کو اتنی اہمیت کس بنا پر دی ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلم پرسنل لاء آپ کے امتیازی مسائل ہیں اگر مسلم پرسنل لا باقی نہ رہے تو آپ کا کوئی امتیاز بھی باقی نہ رہے گا۔"

مولانا رحمانی کے بعد مولانا شمس تبریز خاں نے "اسلام میں عورتوں کے حقوق" کے عنوان سے ایک فاضلانہ مقالہ پڑھ کر سنایا پھر مولانا سید حامد حسین صاحب اپنی فکر انگیز تقریر کرتے ہوئے فرمایا۔

"ہندوستان ایک جمہوری ملک ہے یہاں ہر ملت و مشرب کے لوگ بستے ہیں اور ہر ایک کی تہذیب دوسرے سے مختلف ہے لہٰذا ہر دین کے ماننے والوں کو ان کے پرسنل لا پر عمل کرنے کی آزادی ہونی چاہئے۔"

سید حامد حسین کی تقریر کے بعد عبد الستار شیخ، شہاب الدین ایم۔ ایل۔ اے شاہ فرید الحق اور معین انصاری یکے بعد دیگرے مائک پر تشریف لا کر اپنے خیالات بیان کر کے رخصت ہوئے ہیں سب سے آخر میں مولانا مجاہد الاسلام صاحب مسلم پرسنل لا کی گہرائی و گیرائی پر ایک بصیرت افروز تقریر فرما کر مائک سے اتر رہے ہیں۔ اب اختتامی دعا ہو رہی ہے پوری مجلس پر رقت طاری ہے۔ بالآخر مسلم پرسنل کا یہ دو روزہ اجلاس کامیابی و کامرانی سے اختتام پذیر ہوا مجلس استقبالیہ کے اراکین لائق تحسین ہیں جنہوں نے اجلاس کی کامیابی کے لئے ہر ممکن سعی کی۔

ایک ندوی مصنف کی تصنیف

کی

عالم عرب میں پذیرائی

ندوۃ العلماء کے عربی ترجمان "ماہنامہ البعث الاسلامی" کے مدیر مولانا سید محمد الحسنی ندوی کی کتاب "الاسلام الممتحن" (اسلام دور آزمائش میں) حال ہی میں قاہرہ سے شائع ہوئی ہے اس کتاب کا عالم عربی کے مختلف حلقوں نے جس گرمجوشی سے استقبال کیا اس کا اندازہ درج ذیل اقتباس سے کیا جا سکتا ہے جو قاہرہ سے آئے ہوئے ایک مکتوب سے ماخوذ ہے۔

"کتاب کے شائع ہوتے ہی اس کے نام کی کشش کی وجہ سے جامعہ عین شمس کے دین پسند نوجوانوں نے کچھ نسخے خرید کر اپنے کیمپ کے ساتھیوں کو دئے اور طلبہ کے اس دس روزہ کیمپ میں یہ کتاب مناقشہ، مذاکرہ اور بحث و گفتگو کا موضوع بنی رہی۔ اسی طرح قاہرہ یونیورسٹی کے طلبہ کے کیمپ میں جو عید بعد دس شوال تک لگا تھا، اس کتاب کے دو سو نسخے خریدے گئے اور یہ کتاب مباحثہ اور مذاکرہ میں چھائی رہی۔ "اتحاد طلاب جمہوریۃ مصر العربیۃ" (اسٹوڈنٹس فیڈریشن جمہوریہ مصر) کے صدر نے اپنے گشتی مراسلے (سرکولر) میں اس کتاب کے مطالعہ کی سفارش کی۔ "شباب الجماعۃ الاسلامیۃ" جو نوجوانوں کا ایک فعال اور طاقتور گروپ ہے، اس اتحاد (فیڈریشن) میں مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ اسی کے صدر اور سکریٹری اتحاد میں ہیں۔

کل عاشور صاحب سے مل کر آ رہا ہوں، انہوں نے بتایا کہ "مرکز توزیع الاہرام" کے ذریعہ پورے ملک میں چند دنوں میں دو ہزار نسخے فروخت کئے گئے ہیں "دار الانصار" والوں نے ۵۰۰ نسخے خریدے۔

عاشور صاحب سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مجلۃ الاذاعۃ والتلفزیون (ریڈیو ٹیلیویژن میگزین) کے ایک اہم رکن نے ان سے کہا کہ "المختار الاسلامی" نے اب تک جو کتابیں شائع کی ہیں ان میں یہ منفرد کتاب ہے جس میں عقل و جذبات کا حیرت انگیز امتزاج ہے ہر بات مدلل اور موثر اسلوب میں ہے۔

انہوں نے کہا کہ الاخبار کے نائب اڈیٹر احمد زین اور مجلۃ الاذاعۃ کے مدیر احمد بہجت اس کتاب کا تعارف کرانا چاہتے تھے لیکن میں نے انہیں فی الحال روک دیا ہے کہیں کتاب کی طلب اتنی نہ بڑھ جائے کہ ہمارے لئے اس کا پورا کرنا مشکل ہو جائے، پہلا اڈیشن جو پانچ ہزار چھپا تھا ختم ہو رہا ہے، دوسرا اڈیشن دس ہزار کی تعداد میں وہ شائع کرنا چاہتے ہیں۔

آپ کی تصنیف سے ہم لوگوں کے ہاتھ مضبوط ہوئے ہیں، اب ہم اپنے دوستوں کو ایک موثر اور پرمغز کتاب دینے کے لائق ہو گئے ہیں، یقین مانئے کتاب پڑھ کر بعض مقامات پر اچھل گیا بعض حصوں کو پڑھ کر خون کی گردش تیز ہو جاتی ہے۔ ہمارے ایک مصری دوست نے کہا کہ یہ پہلی کتاب ہے جس میں ہماری آرزوؤں اور جذبات و خیالات کی مکمل ترجمانی کی گئی ہے۔ ایسی فکر انگیز کتاب کی توقع اخوان کے حلقوں سے کرتے تھے، لیکن انہیں ماضی کی نوحہ خوانی سے فرصت نہیں ملتی، دوسرے یہ کہ ان کے پاس اب کوئی طاقتور اور آئیڈیل ادیب نہیں ہے۔"

میں نے جواب دیا کہ یہ ندوی مصنف اخوانی فکر ہی کے تربیت یافتہ ہیں، یہ تحفہ انہیں کی طرف سے سمجھئے۔

مقدمہ کے بارے میں تذکرہ رہا جاتا ہے، ایسا اچھوتا اور فکر انگیز مقدمہ کم ہی پڑھنے میں آیا ہے، ایسی موثر دیدہ مغز کتاب، ایسا بھرپور مقدمہ سونے پر سہاگہ۔"

پرنٹر، پبلشر مسئول سید محمد حسنی نے جے۔ کے آفسیٹ پرنٹنگ پریس میں طبع کرا کر دفتر تعمیر حیات ندوہ لکھنؤ سے شائع کیا۔ اڈیٹر: اسحاق جلیس ندوی